وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (القرآن)

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے!

جلد 10	شمارہ 08	ذیقعدہ 1437ھ	اگست 2016ء

ISSN 2305-6231

ماہنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

حافظ مختار احمد گوندل

پروفیسر خلیل الرحمٰن

محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون ونگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

تزئین وگرافکس: جواد عمر

قانونی مشاورت:

محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرِتعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندرونِ ملک 400 روپے، قیمت فی شمارہ 40 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس، فوارہ چوک، جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	بارگاہِ نبوی میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	رحمتوں برکتوں کی رات، قیام پاکستان کی رات	اوریا مقبول جان	11
5	سیرۃ امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم (سلسلہ وار 6)	ساجد محمود مسلم	25
6	پاکستانی ایک ملت ہیں یا قوم؟	ڈاکٹر ضمیر اختر خان	39
7	امت مسلمہ، ماضی حال اور مستقبل	ڈاکٹر دوست محمد	44
8	جادو سیکھیے	اُمِّ آمنہ	47
9	لبرل پاکستان	رضی الدین سیّد	50
10	روہنگیا مسلمان اور الحاقِ پاکستان	سیّد شہاب الدین	54
11	ہم کون ہیں؟ کیا ہیں؟......	محمد منظور انور	57
12	ہم لفظوں کے کنجوس	عاصم حفیظ	61
13	Many changes in Europe took place		64

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورۃ العلق آیات 19 ، رکوع 1

اس سورۂ مبارکہ کی ابتدائی پانچ آیتیں سب سے پہلی وحی ہے جو آپ ﷺ پر نازل ہوئی۔ ان آیات میں ارشاد ہے کہ آپ کا ربّ جس نے عجیب انداز میں آپ کی تربیت کی، جس کی قدرت بھی اس کی تخلیق سے عیاں ہے اور جو بڑا کریم بھی ہے، جس نے انسان کو جو کہ بے علم پیدا ہوتا ہے، صاحب علم بنایا، آپ اسی کا پاک نام لے کر اس قرآن کو پڑھا کیجیے جو آپ پر نازل ہوتا ہے۔

اگلی آیات کا نزول ایک عرصہ کے بعد ہوا۔ ان میں آپ ﷺ کے ایک مخالف یعنی ابوجہل کو عام الفاظ میں وعید سنائی گئی ہے۔ جس کا سبب نزول یہ ہے کہ ایک بار ابوجہل نے آپ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ میں آپ کو اس سے بارہا منع کر چکا ہوں۔ آپ نے اس کو جھڑک دیا۔ تو وہ کہنے لگا کہ مکہ میں سب سے بڑا مجمع میرے ساتھ ہے اور یہ بھی کہا کہ اب کے بار نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو نعوذباللہ آپ کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا۔ چنانچہ ایک بار وہ اس ارادے سے چلا تو قریب جا کر رُک گیا اور پیچھے ہٹنے لگا۔ لوگوں نے پوچھا تو کہنے لگا کہ مجھ کو ایک آگ کی خندق دکھائی دی اس میں پردار چیزیں نظر آئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ فرشتے تھے اگر وہ مزید آگے آتا تو اس کی بوٹی بوٹی

کر کے نوچ ڈالتے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں (صحیح مسلم) ۔ ان آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں کے ضرر سے محفوظ رکھیں گے۔

اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ

بِسمِ اللّٰهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

اِقرَاُ بِاسمِ رَبِّكَ الَّذِی خَلَقَ O

(اے محمدؐ) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو

جس نے (عالم کو) پیدا کیا

خَلَقَ الاِنسَانَ مِن عَلَقٍ O

جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا

اِقرَاُ وَ رَبُّكَ الاَكرَمُ O

پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے

الَّذِی عَلَّمَ بِالقَلَمِ O

جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا

عَلَّمَ الاِنسَانَ مَا لَم یَعلَم O

انسان کو وہ باتیں سکھائیں جس کا اس کو علم نہ تھا

صَدَقَ اللّٰهُ العَظِیم

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

اِنَّ النَّـاسَ اِذَا رَأَوُا الظَّـالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلٰى يَدَيْهِ، أَوْشَكَ أَنْ يَّعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ مِنْهُ

بے شک لوگ جب ظلم کرنے والے کو دیکھیں پھر اس کے ہاتھوں کو نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ ان سب پر اپنا کوئی عذاب نازل کر دے۔(ترمذی،عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ)

اِنَّ أَحَبَّ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا اِمَامٌ عَادِلٌ، وَأَبْغَضَ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ وَ أَبْعَدَهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا اِمَامٌ جَائِرٌ

بے شک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب اور مرتبے میں سب سے زیادہ قریب 'عدل و انصاف کرنے والا حکمران' ہوگا، اور اللہ کے ہاں سب سے زیادہ مبغوض اور اس کی رحمت سے سب سے زیادہ دور 'ظلم کرنے والا حکمران' ہوگا۔

(ترمذی،عن ابی سعید رضی اللہ عنہ)

الجامع الصغیر فی احادیث البشیر والنذیر للامام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ

TO WHOM IT MAY CONCERN

(14 اگست 1947ء کو 27 رمضان المبارک 1366ھ اور جمعۃ الوداع تھا)

انجینئر مختار فاروقی

تاریخ انسانی حکومتوں، تہذیبوں اور ہمہ مقتدر خدائی کے دعویدار حکمرانوں کے عروج و زوال کے واقعات سے عبارت ہے۔ جیسے انفرادی سطح پر دنیا میں قبریں اور قبرستان ہیں اسی طرح روئے ارضی تہذیبوں کا قبرستان ہے۔

انسانی زندگی 60-70 برس کی ہوتی ہے جبکہ تہذیبوں کی عمر چھ سات صدیاں ہوتی ہے اس اصول سے خود مسلمان بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ بقولِ علامہ اقبال دنیا میں تہذیبوں کا زوال دراصل نظریاتی زوال ہوتا ہے جس کے مقابلے میں اسلحہ کے ڈھیر اور فوجیں کسی کام نہیں آ سکتے۔

آ تجھ کو بتاؤں تقدیرِ اُمم کیا ہے؟
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

مسلمانوں میں بھی 656ھ (1258ء) میں اسی طرح کے نظریاتی زوال کے بعد بنوعباس کی حکومت چنگیز و ہلاکو کے ذریعے ختم ہوگئی تھی۔ آج کی مغربی تہذیب بھی اپنے دورِ عروج سے گزر کر زوال پذیر ہے اور چھ صدیاں مکمل کر چکی ہے۔ اس عرصہ میں سائنسی ترقی اپنی جگہ مگر نظریاتی افلاس، اخلاقی گراوٹ، انسانی اقدار کا خاتمہ ایسے حقائق ہیں کہ اس کے بعد گراوٹ کا کوئی اگلا درجہ باقی نہیں رہا۔ لہٰذا تہذیب مغرب کا اب جنازہ اٹھا ہی چاہتا ہے۔ علامہ اقبال نے ایک صدی قبل اس فرنگی تہذیب کے بارے میں فرمایا تھا:

یہ علم ، یہ حکمت ، یہ تدبر ، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو ، دیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری و عریانی و مے خواری و اِفلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات
وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

مزید فرمایا تھا کہ

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکُشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپایدار ہوگا

آج کی مغربی تہذیب کے پس پردہ صہیونیت کی نادیدہ قوت اور مافیا ہے جس نے برطانوی فرنگی زوال کے بعد امریکہ کو آگے کردیا، UNO قائم کی، NWO کے الفاظ میں نیوورلڈ آرڈر متعارف کرایا۔ تاہم اب یہ تہذیب تمام تر کوششوں اور تدابیر کے باوصف حالت نزع میں ہے اور برطانیہ اور روس کے بعد امریکی عالمی سپر پاور کا یقینی زوال اب نوشتۂ دیوار ہے۔

عجیب حُسن اتفاق

☆ اسے حسن اتفاق سے تعبیر کیجیے یا نیرنگیٔ افلاک کا نام دیجیے مگر ہے یہ ایک حقیقت کہ گزشتہ ایک صدی کے دوران ماضی قریب کی تینوں عالمی طاقتوں کے زوال کا باعث جنوبی ایشیا کے مسلمان ہیں، جن کی بیداری سے اوّلاً برطانیہ (1947ء میں) پھر USSR (1990ء میں) اور اب امریکہ (2014ء میں) جنوبی ایشیا سے 'انگور کھٹے ہیں' کہہ کر واپس ہو چکا ہے۔ کبھی 23 صدیاں قبل یہاں سکندر اعظم یونانی بھی آیا تھا مگر وہ بھی مُنہ کی کھا کر واپس ہوا اور عراق میں جا کر لقمۂ اجل بن گیا اور نشانِ عبرت بھی کہ دوبارہ کسی یونانی و رومی فاتح کو ادھر کا رُخ کرنے کی ہمّت نہیں ہوئی۔

انسانیّت کا مستقبل بعد از امریکہ

یہ سوال امریکی نمک خواروں اور امریکی حمایت سے سیاست، تجارت، میڈیا، فلم

انڈسٹری، سپورٹس انڈسٹری، سیر وتفریح (ENTERTAINMENT) کے میدانوں میں ابلیسی کردار ادا کرنے والوں کے لیے ایک ڈراؤنے خواب سے کم نہیں کہ امریکہ کو بھی زوال سے دوچار ہونا ہے ـــــــ اور اب یہ زوال بہت قریب ہے۔

○ عالمی صہیونی مغربی طاقت امریکہ کے زوال میں ایک عشرہ لگے یا پانچ، قطع نظر اس کے، مستقبل کی سپر طاقت 'اسلام' ہے۔ انسانیّت کے لیے خدا شناس، وحی شناس، علم دوست، اخلاق دوست اور ماحول دوست تعلیمات اسلام کی تعلیمات کے سوا کوئی اور ممکن نہیں۔ انسانیت اسی 'آئیڈیل' کی تلاش میں گزشتہ دو صدیوں سے سرگرداں ہے۔ بقول اقبال

ہر کُجا بینی جہانِ رنگ و بُو
زاں کہ از خاکش بروید آرزُو
یا ز نُورِ مصطفٰے ﷺ او را بہا است
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفٰے ﷺ است

☆ دوسری طرف نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے کہ دنیا میں اسلام کے صدرِ اوّل کے دورِ خلافت راشدہ کے بعد مسلمانوں میں بادشاہت آجائے گی اور پھر مسلمان غلامی (غیر مسلم بادشاہ اور حکمران) کا شکار ہوجائیں گے اس دورِ غلامی کے خاتمہ پر دنیا میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق حکومت یعنی نظامِ خلافت دوبارہ قائم ہوگی اور اب یہ حکومت پھیل کر عالمی (GLOBAL) ہوجائے گی۔

○ تیسری طرف پاکستان بیسویں صدی کے نصف میں، مغربی تہذیب کے دورِ عروج کے نصف النّہار پر ایک نظریاتی ملک بنا۔ اس کا آئین خدا کی حاکمیّت کا اقرار کرتا ہے، قراردادِ مقاصد اس آئین کا رُخ معیّن کرتی ہے قانون سازی کے لیے طے ہے کہ کوئی قانون سازی کسی سطح پر قرآن وسنت کے خلاف نہیں ہوسکتی۔

ابھی تک امریکی دباؤ میں ہمارے حکمران ملک پاکستان کو جیسے بھی چلاتے رہے ہیں وہ سب کے سامنے ہے مگر امریکی زوال کے بعد، جبکہ پاکستان کے اندرونی معاملات اور حکومتوں کی اکھاڑ پچھاڑ میں اس کی مداخلت ختم ہوجائے گی، پاکستان کے لیے ممکن ہوگا کہ وہ اپنے مقصدِ قیام،

دوقومی نظریہ اور آئینی تقاضوں کی طرف رجوع کرے۔

یہ سعادت بھی ان شاءاللہ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں ہی کے نصیب میں لکھی جاچکی ہے کہ یہیں سے علامہ اقبال کی فکر یا دوقومی نظریہ کے مطابق ایک مثالی جمہوری فلاحی اسلامی حکومت وجود میں آئے گی جو پھیل کر پورے کرہ ارض کو اپنی لپیٹ میں سمیٹ لے گی۔

○ پس چہ باید کرد......؟

ہر کمالے راز وال ـــــ یعنی ہر کمال کو زوال سے دوچار ہونا ہے۔ یہ فطرت کا ایک اٹل اور آزمودہ قانون ہے اور تاریخ انسانی کا ایک حاصل بھی ہے۔

اس صُغریٰ کُبریٰ کے پیشِ نظر راقم کی اپنے تمام قارئین اور تمام اہل قلم واہل علم سے درخواست ہے کہ آنے والے اس دور کی جو دھندلی سی تصویر آپ کے سامنے رکھی ہے۔ اس تصویر کو حقیقت کا جامہ پہنانے کے لیے ہر شخص اپنے حصّے کا کام کرنے پر کمر بستہ ہو جائے۔

اس دور کا ایک نقشہ اور جھلک انسانیت پہلے بھی خلافت راشدہ کی شکل میں دیکھ چکی ہے اور آج بھی روئے ارضی کی تمام سعید روحیں اسی مثالی انسانی فلاحی دور کی منتظر ہیں اسی کا اشارہ قرآن مجید میں ہے اور اسی کا خواب دیکھا تھا حضرت علامہ اقبال علیہ الرّحمہ نے جس کے نتیجے میں پاکستان عالمی نقشہ پر ابھر کر آ گیا تھا۔

☆ بجا طور پر اہل قلم (شعراء، صحافی، ادیب، افسانہ نگار، ناول نگار، مصنّفین وغیرہم) ہی انسانی سطح کے کسی انقلاب کے لیے ہراول دستہ ہوتے ہیں۔ آنے والے انقلاب ـــــ عالمی اسلامی جمہوری فلاحی انقلاب کے لیے زمین ہموار کرنا ـــــ ایسے ناول، ڈرامے اور افسانے تحریر کرنا جو اسلام کی تعلیمات، اسلامی تہذیب اور اسلامی تمدن، اسلامی اخلاق، خداشناسی اور آسمانی علم شناسی کا ماحول پیدا کر دیں عصر حاضر کے گزرتے ایام میں حضرت محمد ﷺ سے 'وفاداری' کا تقاضا ہے کہ انقلاب کے لیے مسلمان اہل قلم ہراول دستے ہی کا کام کریں اور فلاحِ انسانیت کے مشن کی تکمیل کے لیے دُکھی انسانیّت، مظلوم عوام اور عالمی کارپوریٹ کلچر کی ستائے ہوئے انسانوں کے دُکھوں کا مداوا کریں اور ان کو اس روحانی کرب سے نجات دلائیں۔

دنیا کے کسی خطے کا رہنے والا ہو ہر معقول انسان (مرد ہو یا عورت) یہی چاہتا ہے کہ

عدل وانصاف ہو، امن ہو، سکون ہو، عفت وعصمت کی حفاظت ہو، معاشی عدل ہو، کفالت کا نظام ہو، جہاں بیواؤں، یتیموں، معذوروں، ضرورتمندوں کی عزت نفس کو ٹھیس لگائے بغیر ان کی سر پرستی ہو، جہاں روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم اور علاج معالجہ ہر شہری (بلالحاظ رنگ، نسل، زبان، علاقہ اور مذہب) کا حق ہو۔

○ دنیا میں عدل وانصاف پر مبنی ایک عالمی حکومت کا قیام (جو آسمانی ہدایت اور خدا شناسی کے تصورات پر مبنی ہو) ایک شُدنی امر ہے اور نوشتۂ دیوار ہے یہ ہماری خوش قسمتی ہوگی کہ آنے والے اس سہانے دور کے پیغام کو عام کر کے انسانیت کے لیے بارانِ رحمت سے پہلے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا بن جائیں۔

علامہ اقبال نے ایک صدی قبل برطانوی ہند میں کہا تھا:

میر عرب ﷺ کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

اور ـــــ یہ ہماری خوش قسمتی ہے اور جنوبی ایشیا کے مسلمان اس پر جتنا فخر کریں کم ہے کہ یہ الفاظ ایک حدیث پاک میں وارد ہیں جو ہمارے لیے راحت جاں اور آرامِ جان کی نوید ہے۔

اس عاجز کی آرزو ہے کہ اپنے آقا حضرت محمد ﷺ سے وفاداری کا یہ پیغام ـــــ جہاں تک پہنچے سب مسلمان اہل قلم اس کے مخاطب بنیں۔ انگریزی میں یوں کہہ لیجیے:

"TO WHOM IT MAY CONCERN"

جس اہل قلم کو حضرت محمد ﷺ سے تعلّق خاطر یاد ہو وہ ضرور اس پیغام کو اپنے لیے فی الواقع ایک 'پیغام' سمجھے اور اس کو عملی شکل دینے میں لگ جائے۔

رحمتوں برکتوں کی رات

قیام پاکستان کی رات

27 رمضان المبارک 1437ھ

خطاب محترم اوریا مقبول جان صاحب

2 جولائی 2016ء بمطابق رمضان المبارک 1437ھ کی 27ویں شب، رات 12 بجے قرآن اکیڈمی جھنگ میں تراویح میں تکمیل قرآن مجید اور ترجمہ القرآن کے اختتام کی تقریب کے بعد ایک پروقار تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں مہمان خصوصی ملک کے معروف مذہبی سکالر جناب اوریا مقبول جان صاحب تھے (اس تقریب کے لیے جب قابل احترام اوریا مقبول جان صاحب سے رابطہ کیا گیا تو عنوان کی ندرت وکشش کی وجہ سے بلاتامّل وعدہ فرمالیا)۔ انھوں نے مذکورہ عنوان پر خطاب فرمایا، جسے ریکارڈ کرلیا گیا تھا۔ اب اسے قارئین حکمت بالغہ کے لیے معمولی ایڈیٹنگ کے بعد تحریراً دو اقساط میں شائع کیا جائے گا۔ (ادارہ)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَالصَّلَاۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی ، اَمَّا بَعۡدُ

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡم بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ھُوَ الَّذِیۡ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡھُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡھِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیۡدًا

رب اشرح لی صدری ویسرلی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی

حضرات گرامی! میرے بارے میں جو کچھ کہا گیا مجھے اپنی کم مائیگی کا، اپنے گناہوں بھری زندگی کا، اپنی علمی حیثیت کا بہت خوب اندازہ ہے۔ ایسی باتوں سے انسان کے اندر ایک تکبّر کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ دعا کیجیے اللہ تعالیٰ اس سے مجھے محفوظ رکھے، آمین۔ کیونکہ زہد کے تکبر سے برا کوئی تکبر نہیں، گناہ کے تکبر سے انسان کو رودھو کے معافی مل جاتی ہے لیکن کوئی شخص پارسائی کا تکبر کرنے لگ جائے تو اُسی کے اندر گم ہو جاتا ہے پھر اس کو نجات نہیں ملتی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح میں بھی یہ دعا کرتا ہوں کہ جیسا آپ میرے بارے میں گمان رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ مجھے ویسا بنا دے۔ آمین۔

حضرات گرامی! میں اس مملکت خداداد پاکستان کی سرزمین پر کھڑا، اپنے آپ کو ایک بہت خوش قسمت انسان سمجھتا ہوں۔ دنیا میں 57 ملک ہیں جہاں مسلمان رہتے ہیں جنھیں ہم اسلامی ملک کہتے ہیں اور انگریز ان کو MUSLIM COUNTRIES کہتے ہیں۔ لیکن اللہ واحد وشاہد گواہ ہے کہ اگر میں حجاز کی سرزمین میں بھی اِس دور میں پیدا ہوتا تو شاید میں اپنے آپ کو اتنا خوش قسمت نہ سمجھتا جتنا میں اپنے آپ کو پاکستان میں سمجھتا ہوں۔ اس کی یہ ایک بنیادی وجہ ہے جس تک پہنچنے کی ہم کوشش کریں گے کہ میں کیوں خوش قسمت ہوں۔ اسلام کا تو قومیّتوں پر کسی طور پر تصور ہی نہیں ہے وہ اس پر BELIEVE ہی نہیں کرتا۔ اسلام کے ہاں تو 'اَلۡاَرۡضُ لِلّٰہ' کائنات کی وسعت بہت بڑی ہے۔ اسلام کے مطابق وطنیّت بنیادی طور پر ایک بہت بڑا بت ہے۔ اقبال نے کہا تھا:

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے ، وہ مذہب کا کفن ہے

یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے
غارت گر کاشانۂ دین نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے، تو مصطفوی ہے
نظارہ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی! خاک میں اس بُت کو ملا دے!

یہ بت تراشا گیا ہے یہ صنم ہمارے درمیان بنایا گیا ہے۔

آج سے تقریباً 300 سال قبل اس دنیا میں ایک نظام تعلیم کا آغاز ہوا۔ دنیا میں تقریباً 22 تہذیبیں ایسی ہیں جنھوں نے اپنے اپنے نظام تعلیم اس دنیا کے اندر رائج کیے ہیں، چینیوں کا اپنا نظام تھا، بابل اور نینوا کی تہذیب کا اپنا نظام تھا، مصریوں کا اپنا نظام تھا، جو بدھ تھے بھکشو، اُن کا اپنا نظامِ تعلیم تھا، ٹیکسلا میں ان کی بہت بڑی یونیورسٹی تھی۔22 کے قریب تہذیبیں ایسی ہیں جنھوں نے نظامِ تعلیم کو اس دنیا کے اندر متعارف کروایا تھا۔ بدترین نظام تعلیم وہ ہے جسے ہم آج پڑھ رہے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ واحد نظام تعلیم ہے جس میں تین ایسی خصوصیات ہیں جو آج سے پہلے کبھی کسی انسانی تہذیب کے اندر ایسی نہیں تھیں (اور جو اسلامی تعلیمات اور آسمانی ہدایت کے صریحاً خلاف ہیں)

نمبر ایک، یہ نظام تعلیم آپ کے علم کو مارکیٹ میں تولتا ہے۔ ہارورڈ کی ڈگری کتنے کی ہے؟ ایک لاکھ ڈالر کی۔ آکسفورڈ کی ڈگری کتنے کی ہے؟ 75 ہزار ڈالر کی۔ لمز کی ڈگری کتنے کی ہے؟ 25 ہزار ڈالر کی ہے اور اگر تم کسی اور چھوٹے درجے میں ہو تو نوکری نہیں ملے گی۔ پوری دنیا کے اندر جو شخص اپنے علم کو بیچنے والی ڈگری لے کر آتا ہے وہ صاحب علم ہے باقی نہیں ہیں۔ آپ کوئی علم حاصل کر کے دیکھ لیں کہ جس کے خریدار موجود نہ ہوں اس کی ڈگری کی کوئی حیثیت نہیں ہے چیتھڑا ہے۔

اس نظام تعلیم کی دوسری بدصُورتی یہ ہے کہ اس نظام تعلیم میں استاد سے اعتماد چھین کے EXAMINATION BOARD کے پاس لے لیا گیا ہے۔ دنیا کا ہر نظام تعلیم امریکہ ہو، یورپ ہو، انگلینڈ ہو ایک EXTERNAL بورڈ ہے جو طے کرے گا کہ آپ نے کتنا علم سیکھ لیا

ہے۔ جبکہ دنیا کے باقی نظام تعلیم میں استاد کہتا ہوتا تھا کہ آج میرا بیٹا حکمت میں پاس ہوگیا ہے جہاں جائے گا حکمت کی دکان کھول لے۔ میں نے اس کو پڑھا دیا ہے اب اس کو فلسفہ ایسا آ گیا ہے کہ یہ فلسفہ اس کے سوا کسی کو نہیں آتا۔ SANCTIFY کون کرتا تھا؟ وہ استاد جو اس کو پڑھاتا ہوتا تھا۔ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ کلاس روم کا جو آئیڈیل سائز ہے وہ آج بھی پچیس ہے پچیس سے زیادہ یورپ کی یونیورسٹیوں میں لوگ نہیں لیے جاتے۔ کہتے ہیں 25 سے 30 تک BEYOND THAT NOT ACCEPTABLE SIZE۔ اور ہمارے ہاں تو وہ لوگ استاد کے پاس برآمدوں میں بیٹھا کرتے تھے۔ امام مالکؒ کے پاس جب امام شافعیؒ گئے ہیں جگہ نہیں تھی تو امام شافعی کو راستہ نہ ملا۔ لوگوں نے کہا کہ اب تو بند ہوگیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ دیکھو میں سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ دار ہوں، انھوں نے اتنی حیا کی کہ ان کو وہاں بٹھا لیا۔ کمرہ اتنا بھر جاتا تھا اس کے باوجود بھی ایک ایک شاگرد پر ان کی نظر ہوتی تھی کہ اس شاگرد کو میں نے فقہ کے اندر اور اس شاگرد کو میں نے فلاں چیز کے اندر پاس کر دیا ہے۔

تیسری چیز جو اِس نظامِ تعلیم کی اور ہے کہ جس طرح کارپوریٹ کلچر کے اندر ایک اکیلے انسان کی اہمیت ہے نہ خاندان کی اہمیت ہے نہ بھائی کی حیثیت ہے نہ باپ کی حیثیت ہے نہ کسی اور چیز کی حیثیت ہے۔ COMPETITION ہے، RACE ہے، یہ فسٹ آ رہا ہے یہ سیکنڈ آ رہا ہے، یہ 3rd آ رہا ہے یہ 4th آ رہا ہے یہ 5th آ رہا ہے۔ ایک بچہ جب فسٹ سے سیکنڈ آ گیا تو اس کو باپ نے ذلیل ورسوا کر دیا، اس نے خودکشی کر لی۔ جیسے کتوں کی ریس ہوتی ہے ایسے دوڑ لگی ہوئی ہے ....۔ اس نظام تعلیم کے اندر سائنس ٹیکنالوجی کو ایک طرف رکھ دیں۔ جو چیز ہمیں خاص طور پر پڑھائی گئی بڑی کمال کی تھی۔ اس کو ہم کہتے ہیں سوشل سائنسز۔ ان سوشل سائنسز میں آتی ہیں SOCIOLOGY وغیرہ، اس کے بعد ہے POLITICAL SCIENCE۔ یہ وہ علم ہے جو ہمیں رہن سہن کی، تہذیب کی، اقدار کی، روایات کی تعلیم دلاتا ہے اور اس میں تفصیلاً بہت بڑی بڑی کتابیں لکھیں گئی ہیں۔ پتہ نہیں کیا کیا دنیا جہاں کے علم جن کے بارے میں گفتگو کریں تو شاید رات ہی ختم ہو جائے۔ انھوں نے یہ سوچا اور علم اس پر بنیاد استوار کیا کہ انسان بنیادی طور پر آہستہ آہستہ، آہستہ آہستہ یہاں تک پہنچا ہے یہ جو سچ بولتا ہے نا،

یہ اس نے خود آپس میں بیٹھ کر طے کیا تھا کہ سچ بولنا اچھی چیز ہے، یہ جو جھوٹ نہیں بولتا یہ دھوکا نہیں دیتا یہ اُس نے خاص طور پر بیٹھ کے طے کیا تھا کہ ہم ایک دوسرے کو دھوکا نہیں دیں گے یہ جو حجاب اور پردہ کرتے ہیں یہ انسان نے خود طے کیا ہے آہستہ آہستہ۔ کوئی ایمزون کے جنگلوں میں گیا وہاں پہ جا کر ڈھونڈا کہ یہاں انسان کیسے رہتے ہیں، یہاں عورتیں کیسے رہتی ہیں یہاں مرد کیسے رہتے ہیں۔ تو یہ تہذیب ارتقا کی بنیاد پر یہاں تک پہنچی ہے۔ اس لیے اس تہذیب کے اندر مذہب بنیادی طور پر اس کا حصہ ہے مذہب انسان نے سیکھ لیا ہے کیوں سیکھ لیا؟ کہ پہلے انسان کبھی بجلی سے ڈرتا تھا، کبھی آندھی سے ڈرتا تھا، کبھی طوفان سے ڈرتا تھا، ساری چیزوں سے ڈرتا تھا اور بے چارہ خوف زدہ رہتا تھا، بھیڑیے اس کو اٹھا کر لے جاتے تھے، شیر اس کو کھا جاتا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ انسان طاقت ور ہوا تو اس نے اس کو ختم کر دیا کہ اب ہم بھیڑیوں سے بھی نہیں ڈریں گے کسی سے بھی نہیں ڈریں گے اب ہم سب پر قابو پالیں گے اب تو سورج کو بھی ہم قید کر لیتے ہیں اب ہم سمندروں میں بھی کشتیاں چلا لیتے ہیں ہم دریاؤں پر بھی بند باندھ دیتے ہیں اور اب ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر آہستہ آہستہ اس کے اندر یہ ایک تصور آیا کہ کوئی ایسی چیز بناؤ کہ جس سے لوگ ڈریں تو سہی۔ تو انسان نے خدا کو تخلیق کر لیا۔ یہ پوری سوشل سائنسز کی BASE ہے۔ ان سوشل سائنسز نے ہمیں چار چیزیں پڑھائی ہیں (دراصل میں بات پاکستان کی طرف لے آ رہا ہوں، آپ کی خاص توجہ چاہوں گا۔ آپ سوچ نہیں سکتے کہ یہ ہزاروں چیزوں کا نچوڑ ہے جو آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں) انھوں نے کہا کہ دنیا کے اندر انسان ایک اکائی نہیں ہے۔ جو اللّٰہ کہتا ہے: خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (اُس نے تمھیں ایک نفس سے پیدا کیا تھا) یا جو اللّٰہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے: آدم من تراب، وہ نہیں ہو تم۔ جس علاقے کا ایک نیوتا جو تھا UNICELLULAR PARTICLE، وہ ذرا بہتر صورت حال میں پڑا، یہ ڈارون کی تھیوری اپنی چیز ہے اس کے ہاں وہ کالا ہو گیا، اس کا MAIN FACTOR زیادہ ٹھیک ہو گیا جہاں اس کے MAIN FACTOR کو دھوپ نہیں ملی وہ سفید ہو گیا اور یہ BASICALLY علیحدہ علیحدہ نسلیں ہیں، کوئی ایک انسان نہیں ہے جس سے یہ بنے۔ اس نے ہمیں چار چیزیں اس بنیاد پر پڑھائیں۔ (یہ چاروں چیزیں ہی اسلام کی بنیادی

تعلیمات اور مسلمانوں کے بنیادی اسلامی تصورات کی جڑوں پر کلہاڑا چلانے کے مترادف ہیں)

نمبر ایک، کہ قومیں چار وجہ سے بنتی ہیں۔ سب سے پہلی چیز علاقہ۔ ہم جہاں رہتے ہیں یہ وہ علاقہ ہے جس سے ہمیں محبت کرنی چاہیے ع اے وطن ہم ہیں تیری شمع کے پروانوں میں۔ دھرتی ماتا، مادر وطن۔ مادرِ وطن کے ترانے ہم گاتے ہیں

اے ہمالہ! اے فصیل کشور ہندوستاں چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں

علامہ اقبال نے بالکل شروع میں جب ابھی اُن پر قرآن کی معرفت کے دَروا نہیں ہوئے تھے۔ اُس وقت یہی کہا تھا:

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا ہم بلبلیں ہیں اس کی، یہ گلستاں ہمارا

لیکن اقبال نے صرف ایک ڈیڑھ سال کے بعد، جب اللہ تعالیٰ نے اس کو ہدایت دی تو اُس نے کہا: ع چشتی نے جس زمیں میں پیغامِ حق سنایا

یہاں پر اقبال کہتے ہیں:

میر عربؐ کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

وہاں پر انھوں نے کہا تھا کہ زمین سب سے اہم ترین چیز ہے۔ تاریخ کہتی ہے کہ زمین سے بودا اور کمزور رشتہ ہی کوئی نہیں ہے۔ پانچ ہزار سال کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ جس دن یہ دھرتی ماتا، یہ زمین انسانوں کو پینے کا پانی نہیں دیتی اور جانوروں کے لیے گھاس نہیں دیتی تو لوگ اس ماں پر لعنت بھیجتے ہیں اور کسی دوسرے کی ماں کو فتح کرنے چلے جاتے ہیں۔ کتنے شہروں کو فتح کرلیا۔ ہائے ماں ہمارے جانور مر گئے پیاس سے، ان کو گھاس نہیں ملتی۔ وہ کہتے ہیں THIEVES IN SEARCH OF PASSAGES۔ وہ بڑے بڑے گھاس کے میدانوں کی تلاش میں نکل پڑے۔ کوئی یہاں آ گیا کوئی وہاں آ گیا کوئی انڈیا چلا گیا کوئی کہیں اور چلا گیا۔ دنیا کی سب سے پہلی ہجرت افریقہ سے ہوئی، جس کو کہتے ہیں GREATER EXODUS۔ یہ ہجرت کس لیے ہوئی تھی؟ اس لیے کہ جب صحرا بننا شروع ہوا ہے تو انسان نے اس ماں پر ایسی لعنت بھیجی ہے کہ مڑ کر نہیں دیکھا۔ سارے افریقہ سے نکلے ہیں کوئی کہیں آباد ہوا کوئی کہیں، کوئی سری لنکا تک چلا

گیا کوئی اوپر تک چلا گیا۔تو بنیادی نظریہ جو اسلام کا ہے 'اَلارض لِـلّٰہ' اور یہ زمین اور یہ وطنیّت تمہاری کوئی چیز نہیں ہے۔تم اس زمین پر چلو(قل سیروا فی الارض)نکلو جہاں تم چاہتے ہو۔

مغربی تعلیم کا دوسرا نکتہ یہ ہے کہ قومیں رنگ سے بنتی ہیں۔دنیا کا ابھی آخری سب سے بڑا قتل و غارت آپس میں جو ہوا ہے وہ HUTU AND TUTSI قبائل کے درمیان ہوا ہے۔ چالیس دن کے اندر ایک دوسرے کے دس لاکھ لوگ مارے ہیں۔آپ ذرا پڑھ لیں،صومالیہ کے قریب قریب کا علاقہ ہے دو قبیلے ہیں HUTU AND TUTSI ایک جیسی کالی کالی رنگت، ایک جیسے موٹے موٹے ہونٹ،ایک جیسے ان کے گھنگریالے بال،رنگ ایسا کہ بالکل پتہ نہ چلے کہ تمہارے سامنے HUTU ہے یا TUTSI۔پہلی دفعہ ہلاکو اور چنگیز کے بعد کسی جگہ کھوپڑیوں کے مینار بنے ہیں تو یہ 1990ء میں ان کے بنے ہیں،40 دن کے اندر 10 لاکھ لوگوں کی کھوپڑیوں کے مینار بنا دیے گئے۔رنگ سے کوئی قوم نہ بن سکی۔

تیسرا نکتہ ہے نسل۔آپ انٹرنیٹ کے لوگ ہیں آپ نے پڑھا ہوگا جب آپ فارم فل کرتے ہیں ?YOU BELONG TO WHICH RACE......تو اس کے جواب میں اہل یورپ کہتے ہیں CAUCACIANS۔CAUCACIANS کہتے ہیں جو یورپ کی ریس ہے۔اس CAUCACIANS نے 120 سال کی سب سے بڑی جنگ لڑی ہے، جو فرانس اور انگلینڈ کے درمیان لڑی گئی۔120 سال۔ایک نسل،ایک رنگ،ایک خون دوڑتا ہوا۔

اس تعلیم کا چوتھا نکتہ ہے زبان۔ایک زبان بولنے والوں کی جنگیں بہت زیادہ ہیں۔یہ MANGOLIANS اور CHINESE ایک تھے اور بیجنگ یہ چنگیز خان کا ہیڈ کوارٹر ہوا کرتا تھا۔آج بھی کوئی منگولین وہاں جائے تو یہ ایسا ہی جیسا کوئی مغل آکر کہے کہ یہ شاہی قلعہ ہمارا تھا۔ تو وہ کہتے ہیں کہ یہ بیجنگ کبھی چنگیز خان کا ہوتا تھا ہم لوگ یہاں پر حکومت کیا کرتے تھے۔چنگیز خان کا جو آخری پیغام خاقانِ چین کو تھا وہ کیا تھا؟(یہ ایک زبان بولنے والے لوگ تھے)چنگیز خان بالکل بستر مرگ پر پڑا ہوا تھا، اس کو کبھی غشی کے دورے پڑتے تھے۔خاقانِ چین نے بہت سارے تحائف چنگیز خان کے پاس بھیجے تو اس سے کہا گیا کہ خاقانِ چین نے تھال بھیجے ہیں اور 200 کے قریب لوگ ہیں جو ان میں ہیرے اور جواہرات اور چیزیں لے کر آئے ہیں اور کہا ہے

کہ ہماری جان بخشی کردو اب ہمارے علاقوں کی طرف نہ دیکھو اب ہم نے دیوارِ چین بھی بنالی ہے اب تم ایسا کرو کہ یہ تحفے قبول کرو اور مزید تحفے بھی دیں گے۔ انھوں نے کہا خاقانِ اعظم کیا حکم ہے۔ تو اس نے کہا کہ ان کے سر کاٹ کر ان تھالوں میں رکھ دو اور تحفے رکھ لو اور سر بھیج دو۔ یہ ایک زبان بولنے والے تھے۔ مغربی تعلیم اور سوشل سائنسز کے یہ چاروں نظریے ہمیں پڑھائے گئے اور اس پر پورے کے پورے مغربی علم کی بنیاد ہے۔

سیّد الانبیاء ﷺ نے فرمایا تھا کہ تمہاری کڑیاں ٹوٹیں گی اور سب سے پہلی کڑی تمہاری خلافت کی ٹوٹے گی اور آخری کڑی تمہاری نماز کی ہوگی۔ FIRST WORLD WAR کے اندر ہماری رگوں میں اس علم کو اُتارا گیا اور اس علم کی بنیاد پر صرف ہمیں نہیں، اگر ہمیں تقسیم کرتے تو شاید ہم اکھٹے ہو جاتے، پوری دنیا کو تقسیم کیا گیا۔ FIRST WORLD WAR کے بعد جب سلطنت عثمانیہ ٹوٹی اور باقی سب چیزیں ادھر ادھر ہوئیں تو لیگ آف نیشنز بنی۔ 1920ء میں پاسپورٹ کا ڈیزائن پیش کیا گیا۔ پاسپورٹ کا ڈیزائن منظور کر دیا گیا۔ 1924ء سے پاسپورٹ کے قواعد وضوابط آئے۔ 1926ء میں بارڈر سکیورٹی فورسز آئیں اور اس پوری دنیا کو ایک چڑیا گھر کے اندر تقسیم کر دیا گیا۔ یہ پنجابی کا پنجرہ ہے، یہ بلوچی کا پنجرہ ہے، یہ ایرانی کا پنجرہ ہے، یہ مصری کا پنجرہ ہے، یہ فلاں کا پنجرہ ہے۔...... 1960ء کے قریب قریب یہ چیزیں ساری مکمل ہوئی ہیں۔ اس سے پہلے اقبال کہہ رہا تھا

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے

اس وقت اقبال کو صحیح اندازہ تھا۔ 1920ء میں اقبال نے کہا تھا:

کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیر حرفِ یَنسِلُون

یَنسِلُون کے مطلب ہمارے علمائے کرام، ہماری 1400 سال کی تفاسیر پر آشکار نہ ہو سکے جبکہ اقبال پر اللہ تعالیٰ نے آشکار کیے۔ سورۂ انبیاء کی آیت ہے

وَ حَرَامٌ عَلٰی قَرۡیَۃٍ اَہۡلَکۡنٰہَاۤ اَنَّہُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ O حَتّٰۤی اِذَا فُتِحَتۡ

يَأْجُوجُ وَ مَأْجُوجُ وَ هُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ O (95-96:21)

اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک بستی کو ہلاک کردیا اور اس کے رہنے والوں پر ہم نے اس کا جینا حرام کردیا اب وہ واپس نہیں آئیں گے۔قرآن کا قطعی فیصلہ ہے۔کب آئیں گے؟ جب ہم کھول دیں گے یاجوج وماجوج کو اور وہ ہر بلندی سے تمہارے اوپر حملہ آور ہوں گے۔

وہ بستی کونسی تھی؟ یروشلم کی۔تمام مفسّرین اس پر متفق ہیں۔سن 70ء میں آخری دفعہ ان یہودیوں پر عذاب آیا اور وہ آیا کس لیے تھا؟ کیونکہ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف سے پھانسی (صلیب) دے دی تھی، جس کے بارے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہ انھوں نے اس کو قتل کیا اور نہ اس کو پھانسی دی بلکہ ان پر مشتبہ کردیا گیا۔اس کی سزا کے طور اس کے بعد ان کے پاس جو رومن آئے ہیں۔اللہ فرماتے ہیں کہ رومن نے ان کو اُمم میں تقسیم کردیا۔کوئی افریقہ چلا گیا کوئی ادھر چلا گیا کوئی اُدھر چلا گیا اور وہ تقسیم ہوگئے۔(اب میں یاجوج ماجوج کی تفصیل میں جاؤں گا تو بات بہت لمبی ہوجائے گی) 1920ء میں پہلا لشکر بحرطبریہ (SEA OF GALILEE) کراس کرکے وہاں پہنچا ہے۔اور اگر اللہ کا قرآن سچ ہے تو اس کا مطلب ہے کہ یاجوج اور ماجوج کھل چکے ہوئے ہیں۔میں آخر میں اس پر روشنی ڈالوں گا کہ یاجوج اور ماجوج کون ہیں اور ہم ان کا مقابلہ کیسے کرسکتے ہیں۔اس وقت اقبال نے کہا تھا کہ اب یہ دنیا تقسیم ہورہی ہے۔دنیا کی ساری طاقتیں اکٹھی ہوچکی ہیں۔فرانس ہے، امریکہ ہے، جرمنی ہے، برطانیہ ہے جتنی بھی GLOBAL POWERS ہیں اکٹھی ہوگئی ہیں۔اب ہمیں کوئی ایسا خطہ ان کی طرح ڈھونڈ لینا چاہئے کہ جہاں ہم اپنی سرزمین پر اللہ کا نظام نافذ کرسکیں۔کیونکہ ظاہر بات ہے کہ ہم ایک اُمت مسلمہ ہیں۔سب سے بڑی بات یہ ہوئی تھی کہ جس وقت لارنس آف عریبیہ وہاں پہنچا ہے تو اس نے "الخلافة من قريش" کہہ کر جب سلطنت عثمانیہ کے خلاف شریفِ مکہ کو اٹھایا ہے تو اس وقت ہی اندازہ ہوگیا تھا۔جو اقبال کہتا ہے کہ

کیا خوب امیر فیصل کو سنوسی نے پیغام دیا
تو نام ونسب کا حجازی ہے پر دِل کا حجازی بن نہ سکا

برطانیہ مشرقِ وسطیٰ کو اس وقت تقسیم کرگیا جب عثمانیوں نے کہا اچھا ٹھیک ہے ہمیں صرف

سیّد الانبیاء ﷺ کی نوادرات دے دو ہم انھیں اسپین میں لے جائیں گے تم اپنا حجاز اپنے پاس رکھ لو۔ اُس وقت مسلمانوں نے اُمت مسلمہ نے نعرہ لگانا شروع کیا۔

اب آتی ہے پاکستان کی خوش قسمتی۔ مصریوں نے کہا ہم فراعنہ مصر کی اولاد ہیں، اہرامِ مصر ہمارا، ابوالہول کا مجسمہ ہمارا، صدیوں سے ہم نیل کے دریا کو آباد کرتے آ رہے ہیں، ہماری ایک تہذیب ہے، ہمیں ہمارا ملک دے دو۔ کہا لے لو، اپنی باؤنڈری بنالو۔ اردن والوں نے کہا یہ شرق اردن کا علاقہ ایک خاص علاقہ تھا یہاں یوسف علیہ السلام کی نسل آباد تھی۔ کہا یہ تم لے لو۔ بابل ونینوا والوں نے کہا ہم نے HANGING GARDENS بنائے تھے، ہمورابی کے قوانین تھے، ہماری تین ہزار سال چار ہزار سال پرانی ایک تہذیب ہے، ہم نمرود کے وارث ہیں ہمارا عراق ہمیں دے دو۔ کہا: لے لو۔ ایرانیوں نے کہا ہم سائرس اعظم کے گھر کے وارث ہیں، ہمارا علاقہ ہمیں دے دو۔ کہا لے لو۔ بلجیم والے نے کہا ہمارا ایک کنگ تھا یہ علاقہ ہمیں دو۔ اسٹریا نے کہا: ہم علیحدہ ہو جائیں گے۔ ساری دنیا کو انھوں نے رنگ، نسل، زبان اور علاقے کی بنیاد پر تقسیم کیا۔ کتنے خوش قسمت ہو آپ لوگ (اہل پاکستان) کہ ہم نے 1400 سال کے بعد یہاں مقامِ بدر پیدا کیا تھا۔ علیؓ ابن ابی طالب ایک طرف ہے اور عقیل ابن ابی طالب ایک طرف ہے۔ عباس بن عبدالمطلب ایک طرف ہیں حمزہؓ بن عبدالمطلب ایک طرف۔ ہم وہ لوگ تھے کہ جنھوں نے کہا تھا میں محمد عزیر چیمہ ہوں اور یہ ارجن چیمہ ہے۔ ہم کھانا ایک طرح کا کھاتے ہیں ہم بھنگڑا ایک طرح کا ڈالتے ہیں ہم گیت ایک طرح کے گاتے ہیں، میرا بھائی یہ نہیں ہے جو کہ لا اِلٰہ اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ نہیں کہتا۔ ہم نے اس پورے کے پورے 300 سال کے مغربی علوم پر پانی پھیر دیا تھا کہ نہیں! ہم امین الامت ابوعبیدہ بن جراحؓ کے وارث ہیں۔ ابوعبیدہ بن جراح وہ تھے کہ بدر کے میدان میں رسول اللّٰہ ﷺ کے پاس ایک سر کو لے کر آئے۔ رسول اللّٰہ ﷺ نے پوچھا: ابوعبیدہ! یہ کس کا سر ہے؟ کہا میرا باپ تھا، آپ ﷺ کا گستاخ تھا، میں ادب کرتا تھا، آج سامنے آ گیا، میں اس کا سر کاٹ کر لے آیا ہوں۔ ہم مسلمان اس قوم کے وارث ہیں۔ ہم نے اس سرزمین پر بدر پیدا کی تھی۔ بخدا ہم خوش قسمت ہیں کہ اللّٰہ تبارک وتعالیٰ نے یہ سرزمین ہمیں عطا کی۔ ہم نظریاتی قوم ہیں۔ ہم خوش قسمت ہیں کہ دنیا میں 199 ملک ہیں ہر ملک کے باہر اس کے رنگ کی، اس کے علاقے کی، اس

کی نسل کی، اس کی قوم کی تختی لگی ہوئی ہے۔ ہم وہ واحد ملک ہیں جس کے باہر اللّٰہ کا نام کی تختی لگی ہوئی ہے۔ 199 ملک 199 گھر ہیں ان کے باہر ان کے مالکوں کے نام ہیں میرا ملک مسجد ہے کیونکہ اس پر اللّٰہ کے نام کی تختی لگی ہوئی ہے۔ یہ وہ واحد خداداد ملک ہے اس لیے کوئی بھی ملک خواہ میں عراق میں پیدا ہوتا، خواہ میں شام میں پیدا ہوتا، خواہ میں سعودی عرب میں پیدا ہوتا کیونکہ سعودی عرب کو بھی یہ اعزاز حاصل نہیں ہے وہ بھی کہتے تھے کہ ہم نے سعودی نسل کی بنیاد پر اس ملک کی BOUNDARIES طے کی ہیں ہمیں سعودی عرب کہہ لو اسلامی عرب نہیں ہیں سعودی عرب ہے۔ ہم وہ واحد ملک ہیں کہ ہمارے آباءواجداد نے اس ملک کو تخلیق کیا۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ جہاں اللّٰہ پر ایمان لانا فرض ہے جہاں میں سمجھتا ہوں سیّدالانبیاءﷺ کے خاتم النّبیین ہونے پر ایمان لانا فرض ہے وہاں میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کے وجود پر ایمان لانا بھی ایمان کا ایک حصہ ہے۔ کیونکہ یہ وہ ملک ہے کہ جس نے یہ طے کیا تھا کہ اس پورے کے پورے علاقے کے اندر ہم وہ واحد سلطنت ہیں جو اس سلطنت کے اندر ہم اللّٰہ کا نظام نافذ کریں گے۔

اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے گھر کو گندا کرو تو اس کی کوئی سزا نہیں ہے۔ آپ کا اپنا گھر ہے چاہے گندا رکھو چاہے صاف۔ بے شک مولوی صاحب کہتے رہیں: الطہور شطر الایمان صفائی نصف ایمان ہے، اس کے باوجود بھی کوئی سزا نہیں ہے معاشرتی لیول پر کوئی سزا نہیں، اسلام میں بھی ایسی کوئی سزا نہیں مقرر کی ہوئی۔ ہاں یہ بات ہے کہ اگر آپ پاکیزگی نہیں کرتے تو قبر کا عذاب بتایا گیا ہے لیکن یہاں کوئی سزا نہیں ہے۔ لیکن مسجد کو گندہ کرنے کی سزا ہے۔

سورۃ توبہ کی آیات 76-75 میں اللّٰہ تعالیٰ ایک قوم کی مثال دیتے ہیں، بڑی کمال کی مثال ہے۔ فرمایا: انھوں نے عہد کیا کہ اے اللّٰہ! اگر تو ہمیں اپنی نعمتوں سے نواز دے تو ہم تیرے راستے میں خیرات بھی کریں گے اور صالحین میں سے بن کر رہیں گے۔ پھر جب ہم نے ان کو نعمتوں سے نواز دیا تو وہ بخل کرنے لگے اور پھر نیک اعمال سے بھی منہ پھیر لیا۔ اللّٰہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد سے پھر گئے۔ اللّٰہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے پھر ان کو صرف ایک سزا دی (کوئی اور سزا نہیں ملی)، ہم نے ان کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا۔ اللّٰہ کہتا ہے ہم نے انھیں منافق بنا دیا۔ کس وجہ سے؟ اس عہد کو توڑنے کی سزا۔ قرآن میں اللّٰہ تبارک وتعالیٰ اپنے اُن عذابوں کی نشاندہی

کرتے ہیں جو کسی قوم پر نازل ہوتے ہیں۔

قُلۡ هُوَ الۡقَادِرُ عَلٰٓى اَنۡ يَّبۡعَثَ عَلَيۡكُمۡ عَذَابًا ...... ہم تم پر عذاب نازل کریں گے۔تمہارے اوپر سے۔آسمانوں سے کوئی بارش برسے گی ایسے برسے گی کہ کئی گھنٹے برستی رہے گی۔آپ نے دو سال پہلے دیکھا ہوگا کہ سندھ میں بارش ہوئی تو اس سے صحرا اور شہر ڈوب گئے تھے۔نشانی کے طور پر آپ دیکھیں کہ کبھی بارشوں سے شہر اس طرح غرق نہیں ہوئے جس طرح آج سے دو یا تین سال پہلے ہوئے تھے۔اور تمہارے پاؤں کے نیچے سے۔زلزلہ آتا ہے، کوئی شراب پی رہا ہو خواہ زنا کر رہا ہو خواہ جھوٹ بول رہا ہو، اس کو صرف اللہ یاد آجاتا ہے اور اس وقت سب لاالٰہ اِلا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہوئے باہر آجاتے ہیں۔تیسرا عذاب۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: تمہیں گروہوں میں تقسیم کر کے ایک دوسرے کی طاقت کا مزہ چکھاؤں گا۔اللہ کہتا ہے میں تقسیم کروں گا۔جس نے یہ عذاب نازل کیا ہو، رجوع اس طرف کیا جاتا ہے یا ضربِ عضب کر کے عذاب ٹھیک ہوتا ہے؟ ضربِ عضب سے عذاب ٹھیک نہیں ہوتا۔ہم کمر توڑ دیں گے، ہم بڑے طاقتور ہیں، ہمارے پیچھے ٹیکنالوجی ہے۔ان کو پتہ ہی نہیں چلے گا یہ کہاں بھاگ جائیں گے۔اللہ تو اپنی ایک صفت بیان فرماتے ہیں۔اللہ فرماتے ہے کہ فرعون کیا کرتا تھا؟ يُذَبِّحُوۡنَ اَبۡنَآئَكُمۡ وَ يَسۡتَحۡيُوۡنَ نِسَآئَكُمۡ ۔تمہارے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا اور بیٹیوں کو زندہ رکھتا تھا کہ عیاشی کریں۔ اللہ کہتا ہے: فرعون نہیں کرتا تھا، ذٰلِكُمۡ بَلَآءٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ یہ تو تمہارے رب کی طرف سے تم پر آزمائش ہے۔ہم نے فرعون کو کہا تھا ایسا کرو۔کیونکہ اللہ کا ایک کلیہ ہے: مَاۤ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ تم پر مصیبت آ ہی نہیں سکتی کہ جب تک اللہ کا اذن لے کر نہ آئے۔

تو بنیادی طور پر ہمیں نفاق کی جو سزا مل رہی ہے وہ اس وعدہ خلافی کی سزا ہے جو ہمارے آباء و اجداد نے اور ہم نے اس ملکِ پاکستان کی سرزمین کو حاصل کرنے کے لیے کیا تھا۔ کیا عجیب ملک ہے کہ جب یہ بنا ہے تو ہم ڈیڑھ سال اس بات میں لگے رہے کہ اس بات کا اعلان کریں کہ اس دنیا کا مالک اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔کب آئی ہے یہ قراردادِ مقاصد؟ مارچ 1949ء میں۔یہ کون لے کر آئے تھے؟ سارے لوگ اکٹھے ہوئے۔لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ مولوی اکٹھے ہو جائیں تو کیا کچھ کر سکتا ہے؟ مولوی جب اسلام کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں اللہ نے نصرت دی

ہے۔ مولوی قراردادِ مقاصد کے لیے اکٹھے ہوئے، اللّٰہ نے نصرت دی۔ گلے کی ہڈی ہے جو پھنسی ہوئی ہے ہر سیکولر ذہن کے اندر۔ آج تک اسے نکال نہیں سکتے اُس CONSTITUTION سے۔ ذوالفقار علی بھٹو جیسا OXFORD RETURN شخص بھی نہیں نکال سکا۔ اس کے باوجود اس کو قراردادِ مقاصد کے ساتھ CONSTITUTION کو بنانا پڑ گیا۔ اللّٰہ نے نصرت دی۔ کیا تھا اس کے اندر؟ اس وقت اپوزیشن میں 30 لوگ تھے ان میں آدھے تو وہ تھے جو اس کے ساتھ چلنے کو تیار بھی ہوگئے ہوئے تھے۔ چار جماعت اسلامی کے لوگ، چھ جمعیت علمائے اسلام کے لوگ اور دو جمعیت علمائے پاکستان کے لوگ، ٹوٹل یہ تھے۔ انھوں نے CONSTITUTION ڈرافٹ کراویا۔

قادیانیوں کے خلاف اکٹھے ہوگئے تھے اللّٰہ نے نصرت دی۔ پوری دنیا میں ہڈی کی طرح پھنسا ہوا ہے۔ جو سیکولر اُٹھتا ہے وہ قادیانی کے راستے سے نکلتا ہے۔ جو آپ کے ساتھ سازش کرتا ہے اسی حوالے سے اُٹھتا ہے۔ مجھ سے کسی نے سوال کیا (یہاں کے پوپ صاحب نے جو الیگزینڈر جون ہیں) کہ سٹیٹ کا کیا کام ہے کہ کسی کو کافر کہے؟ میں نے کہا کہ پاکستان کی سٹیٹ کا کام ہے۔ میں نے کہا یہ جو تم عیسائیوں کی سیٹیں لے کر بیٹھے ہوئے ہو، یہ کون بتائے گا کہ یہ عیسائی ہے یا نہیں ہے؟ کسی کورٹ آف لا میں تو جاؤ گے DETERMINE کون کرے گا DEFINITION کون کرے گا کہ تم عیسائی ہو۔ اسلامی ریاست DEFINITION کرتی ہے کیونکہ اسلامی ریاست میں دو طرح کے شہری ہیں: ایک شہری وہ جو مسلمان ہیں، جس کو آپ PRIME CITIZENS کہہ سکتے ہیں۔ اور ایک شہری وہ جو ذِمی (PROTECTED) ہیں۔ اور ہمیں اس کے اندر کوئی شرم نہیں ہے۔ اس لیے کہ بدر کے موقع پر سیّد الانبیاء ﷺ کے پاس سامان کیا تھا؟ دو گھوڑے، چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں۔ لوگ کتنے تھے؟ 313۔ دو گھوڑے ہیں ایک پر سیّد الانبیاء خود اور ایک مبازرت کے لیے رکھا ہوا ہے۔ دو گھوڑے، چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں۔ کسی کے پاس لاٹھی ہے، کسی کے پاس درخت کی ٹہنی ہے، کسی نے پتھر تیز کیا ہوا ہے، کسی نے برچھی بنائی ہوئی ہے۔ کیا چلتے ہوئے کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللّٰہ! کہاں لے کر جا رہے ہو؟ وہ کیل کانٹے سے لیس ہیں کیا آپ خودکشی کروانے جا رہے ہو؟ کسی نے ایک سوال تک نہیں کیا۔

مجھے جب کبھی کوئی پوچھتا ہے کہ راستہ کیا ہے؟ میں نے کہا نہ رسول کی سنت ہے نہ رسول کے ساتھیوں کی سنت ہے۔ کسی نے کبھی سوال نہیں کیا کہ یارسول اللہ راستہ کیا ہے۔ ہر بندہ یہ سوال کرتا تھا کہ اللہ کی نصرت کب آئے گی؟ مَتٰی نَصرُ اللّٰہ کب آئے گی اللہ کی مدد۔ راستہ تو موجود ہے، مدد کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے۔ کب اُتریں گے فرشتے؟ اس وقت دو نصرانی آئے ہیں۔ تاریخ اٹھایئے حدیث کی کتابوں میں بھی ہے کہ دو نصرانیوں نے آ کر کہا کہ ہمارے پاس اسلحہ ہے اور ہم آپ کے ساتھ مل کر جنگ کرنے کو آئے ہیں۔ یہ واقعہ طبری میں بھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ یہ ہماری جنگ ہے، یوم الفرقان ہمارا ہے تمہارا نہیں۔ حق و باطل کی تمیز ہمارے درمیان ہے اور دوسرا اسلامی ریاست میں تمہارے اوپر جہاد فرض نہیں ہے تم ہمارے لاڈلے شہری ہو۔ کتنی ضرورت تھی اس وقت ایک ایک تلوار کی اور ایک ایک زرہ کی۔ آپ ان کو نہیں لے کر گئے۔ کہا: یہ ہماری جنگ ہے ہم خود نمٹ لیں گے۔ دو طرح کے CITIZENS ہیں: ایک وہ جن کے اوپر اسلام کی تمام تر ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور دوسرے وہ جو NORMAL ہیں اور دنیا کا ہر ملک یہ تقسیم کرتا ہے۔ امریکہ میں دو طرح کے شہری ہیں: ایک وہ جو BORN CITIZENS ہے اور دوسرے کو کہتے ہیں NATURALIZED CITIZEN۔ NATURALIZED CITIZEN امریکہ کا صدر نہیں ہوسکتا، جو وہاں پیدا نہیں ہوا HE CONNOT BECOME PRESIDENT OF UNITED STATE OF AMERICA۔ ہیلری کیسنجر روتا رہ گیا کہ میرے باپ کی ایسی کی تیسی مجھے اسرائیل لے گیا تھا پیدائش کے وقت۔ ورنہ میں امریکہ کا صدر ہوتا، یہ سارے جاہل کے بچے صدر بنے بیٹھے ہیں۔ ان کو کسی نے نہیں کہا کہ تمہارے ہاں دو طرح کے شہری ہیں۔ برطانیہ میں بھی تقسیم ہے۔ اور جہاں پر یہ تقسیم نہیں ہے وہاں پر تعصب اس سطح کا ہے کہ اس تقسیم کو خود بخود BELIEVE کیا جاتا ہے۔ WARMINSTER اور WARKING کا جو علاقہ ہے یہاں کسی زمانے میں گورے آباد ہوتے تھے۔ وی اسٹین میں مسلمانوں اور پاکستانیوں نے حصہ لینا شروع کیا گورا بھاگ گیا۔ آبادیاں DIFFERENT، دور دور نظر آتی ہیں۔ ایشین کا ایریا، فلاں کا ایریا، تقسیم ہے۔ تو اسلام کی سٹیٹ کے اندر دو طرح کے CITIZEN ہوتے ہیں تو کون سی قیامت آ گئی۔ (جاری ہے)

مہربان خدا

(سیرۃ امام المرسلین ﷺ : پہلا باب)

ساجد محمود مسلم

میں کہاں سے آیا ہوں؟ یہ وہ سوال ہے جو مجھے بہت بے چین کیے رکھتا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ میرا بدن چند عناصر ارضی کے خاص تناسب سے مرکب ہے۔ ہائیڈروجن، آکسیجن، کاربن، کیلشیم، سلفر، فاسفورس، میگنیشیم، آئرن، کلورین وغیرہ کی آمیزش وترکیب سے ہی تو میرا ماڈی وجود پیکر میں ڈھلا ہے۔ مگر یہ کوئی بے جان مجسمہ نہیں ہے، بلکہ قابل مشاہدہ زندگی کی اعلیٰ ترین صورت میرے وجود کا حصہ ہے۔

میں یہ بھی جانتا ہوں کہ مذکورہ عناصر ارضی سے تیار ہونے والے مسالے سے جو اینٹیں بنتی ہیں انہیں خلیات (CELLS) کہتے ہیں۔ خلیات ہی وہ اینٹیں ہیں جن سے میرے بدن کی عمارت تعمیر ہوئی ہے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ میں ہمیشہ سے ایسا نہیں تھا، جیسا اب ہوں۔ اس دنیا میں سانس لینے سے پہلے میں اپنی ماں کے رحم میں نو ماہ جنین (FOETUS) کی شکل میں مختلف مرحلوں سے گزرتا رہا، ابتدا میں بس ایک نطفۂ امشاج (ZYGOTE) کی صورت میں تھا جو میرے ماں باپ کے مخصوص مادۂ تولید کے اختلاط سے وجود میں آیا تھا۔ نطفۂ امشاج بننے سے پہلے میں اپنے ماں باپ کی شریانوں اور وریدوں میں خون بن کر گردش کرتا رہا، میرے بدن کے عناصر ان کے خون کا جزو تھے، ہاں یہ وہی عناصر ہیں جو زمین کی مٹی اور ہوا میں شامل تھے۔ ان عناصر نے کہیں اناج کی شکل اختیار کی، کہیں سبزیوں کی، کہیں پھلوں کی صورت میں نمودار ہوئے،

تو کہیں میوہ جات کی شکل میں اور کہیں ان جانوروں کا چارہ بن گئے، جن کا گوشت میرے ماں باپ نے کھایا تھا۔ لٰہذا یہ عناصر میرے ماں باپ کے خون میں ان کی غذا کی صورت میں پہنچے تھے۔ معلوم ہوا کہ میں عرصۂ دراز تک مٹی کی شکل میں زمین پر رُلتا رہا ہوں۔

جاننے والے بتاتے ہیں کہ زمین بھی ہمیشہ سے ایسی نہیں، جیسی کہ اب ہے، اس پر بڑے بڑے انقلابات آتے رہے ہیں، ایک زمانہ وہ بھی تھا جب میرے بدن کے عناصر لاکھوں ٹن برف کے نیچے دبے ہوئے تھے، یہ وہ دور تھا جب زمین کی کل سطح برف سے ڈھکی ہوئی تھی۔ میں اس دور کو برفیلا زمانہ (ICE AGES) کے نام سے یاد کیا کرتا ہوں۔ اس برفیلے زمانے سے بہت ہی پہلے زمین جلتے کوئلے کی طرح دہکتی تھی۔ میرے عناصر یہ شدید حرارت بھی سہتے رہے۔

جاننے والے بتاتے ہیں کہ زمین بالکل ابتداء میں گیسوں اور میرے بدن کے دوسرے ٹھوس عناصر کے آمیزے پر مشتمل ایک بہت بڑا گولہ تھی جو اپنے ساتھی سیاروں (PLANETS) کے ہمراہ اپنی ماں سورج کے وجود سے الگ ہو کر اس کے گرد گھومنے لگی تھی۔ ارے باپ رے! اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں پہلے سورج میں رہا کرتا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ سورج آگ کا بہت بڑا گولہ ہے، جس میں میرے وجود کے عناصر صدیوں سے جلتے آ رہے تھے۔

آسمان پر سورج کا وجود تنہا نہیں۔ کائناتی پیمانے کے اعتبار سے اس کے آس پاس اسی جیسے آگ کے کھربوں گولے ہیں، کوئی اس سے بڑا کوئی چھوٹا۔ کوئی کم روشن اور کوئی اس سے بھی ہزاروں گنا زیادہ روشن۔ آگ کے یہ گولے مجھے دن میں دکھائی نہیں دیتے، مگر رات کو آسمان پر روشن چراغوں (ستاروں) کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔ کیونکہ ارضی پیمانے کے اعتبار سے یہ زمین سے بہت زیادہ فاصلے پر ہونے کی وجہ سے چھوٹے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ کائناتی فاصلوں کے اعتبار سے ان میں سے اکثر سورج کے آس پاس اسی کے محلے کے باسی ہیں۔ سورج کے اس محلے کا نام ہے کہکشاں (GALAXY)۔ کائنات نامی بستی میں اک میرا ہی محلّہ نہیں، جہاں میں صدیوں سے سورج میں بستا ہوں، بلکہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ایسے کھربوں محلے ہیں۔ یہ سب محلے (کہکشائیں) خلا میں کسی انجانی سمت دوڑے چلے جا رہے ہیں۔ جوں جوں وقت گزر رہا ہے، ان کا آپس کا فاصلہ بڑھتا جا رہا ہے۔ میں بھی تقریباً پانچ لاکھ

کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑنے والے اڑن کھٹولے پر اس وقت سے سوار ہوں جب سے یہ اڑن کھٹولا (کہکشاں) وجود میں آیا ہے۔ بڑھتے ہوئے فاصلے بتاتے ہیں کہ یہ دوریاں ہمیشہ سے نہیں بلکہ کبھی یہ محلے ایک دوسرے کے بہت ہی قریب تھے۔ حتیٰ کہ ابتدا میں ہمارا ایک ہی محلّہ تھا، مگر جوں جوں کہکشاؤں کی تقسیم ہوتی گئی، فاصلے بڑھتے گئے۔ تقسیم سے پہلے ہمارا محلّہ تو ایک ہی تھا، مگر تھا وہ بہت گنجان آباد (CONDENSED)۔ میرے وجود کے عناصر کائنات کے اس سب سے پہلے محلے میں اربوں سالوں سے رکھے ہوئے تھے۔

میرا یہ پہلا محلّہ کائنات کی اوّلین وحدت تھی۔ یہ وحدت بھی ہمیشہ ایک جیسی نہیں رہی، بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پھیلتی رہی ہے۔ میرے وجود کے عناصر بھی پہلے اس طرح متشکل نہیں تھے جیسے اب ہیں، موجودہ صورت اختیار کرنے سے پہلے یہ باردار اور بے بار ذرّات کی شکل میں الل ٹپ گھومتے پھرتے تھے۔ اس سے بھی پیچھے جاؤں تو میرا وجود یکسر معدوم ہو جاتا ہے اور نور کے اِک منبع میں غائب ہو جاتا ہے۔ جس کی اصلیت کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔

جب میں اپنے وجود کی تاریخ پر نظر دوڑاتا ہوں تو مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ پہلے میرا وجود مطلق نہ تھا، میں محض عدم تھا اور بس ـــــ آخر پھر میں کہاں سے آیا ہوں؟ میرے وجود کے ذرّات محض عدم سے معرض وجود میں کیونکر آئے؟

اس سوال کے ممکنہ جوابات صرف تین ہیں، جن میں سے صرف ایک جواب درست ہوسکتا جبکہ باقی دو جوابات یقیناً غلط ہونے چاہئیں۔

1۔ میں یونہی محض اتفاق سے عدم سے وجود میں آ گیا۔

2۔ میں نے اپنا وجود خود بنایا۔

3۔ مجھے کسی (ان آنکھوں سے نظر نہ آنے والے) خالق نے عدم سے وجود بخشا۔

جب میں پہلے جواب پر غور کرتا ہوں تو مجھے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ جواب یقیناً غلط ہے۔ جس کائنات میں میں زندہ ہوں، یہ کوئی بے ہنگم، غیر مرتب اور غیر مربوط شئے نہیں ہے بلکہ یہ اس قدر مربوط و منظّم ہے کہ اسے بجا طور پر رفیق کائنات (SYMBIOTIC UNIVERSE) کہا جا سکتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے کائنات کی ہر شئے میرے وجود کو پیدا کرنے اور اسے قائم

رکھنے کے لیے صدیوں سے سرگرمِ عمل تھی۔

میں نے جب دنیا میں پہلا سانس لیا تھا تو اس وقت میرے جینے کے لیے وہ تمام اشیاء زمین پر پہلے سے مہیا کردی گئی تھیں جو میری لازمی ضروریات ہیں۔ سانس لینے کے لیے متوازن کرہ ہوائی جس میں آکسیجن اپنے مخصوص جزوی دباؤ (PARTIAL PRESSURE) کے ساتھ موجود ہے، جو میرے لیے موزوں ترین ہے۔ میرے نحیف و نازک بدن کے لیے میری صحت کے موافق نہایت متوازن غذا ماں کے دودھ کی صورت میں مہیا کردی گئی۔ اسی پر بس نہیں مستقبل میں مجھے جن غذاؤں کی ضرورت تھی، زمین پہلے سے انہیں پیدا کرنے پر مأمور تھی۔ اناج، پھل، سبزیاں اور میری خوراک بننے والے جانوروں کا چارہ زمین صدیوں سے اُگا رہی تھی۔ ان غذاؤں کو اُگانے کے لیے درکار ''روشنی'' زمین کے وجود سے بھی پہلے سورج کی صورت منصۂ شہود پر آچکی تھی۔ میرے پینے کے لیے میٹھے پانی کے چشمے زمین سے پھوٹ رہے تھے، جو دریاؤں کی صورت میں بہتے تھے۔ مجھے سردی، گرمی سے بچانے والا لباس کپاس بن کے اُگ رہا تھا۔ میری اپنی بے احتیاطی سے بیمار ہونے کی صورت میں علاج کے لیے جڑی بوٹیاں اُگ رہی تھیں۔ مجھے سہولیات مہیا کرنے کے لیے زمین سونا، چاندی، لوہا، تانبا، کوئلہ، گیس اور تیل کے ذخیرے اپنے دامن میں سمیٹے میرے سامنے کھڑی تھی۔ کونسی ایسی شئے ہے جس کی مجھے ضرورت ہے اور میرے وجود میں آنے سے پہلے زمین پر ہی مہیا نہ کردی گئی ہو۔

زمین جو میرا مسکن ہے، ایسے نپے تلے حجم اور کمیّت کی حامل ہے کہ اگر ان میں کوئی واضح کمی بیشی ہوتی تو زمین کی کثافت (DENSITY) اور بناوٹ اس سے بہت مختلف ہوتی جیسی وہ اب ہے۔ اسی متناسب کثافت کی وجہ سے زمین کی سطح پر کشش ثقل (GRAVITATION) میرے لیے اتنی موزوں ہے کہ میں اس پر سہولت کے ساتھ اور اپنی مرضی کے مطابق ہر کام کرسکتا ہوں، کھڑا ہوسکتا ہوں، اعتماد سے چل پھر سکتا ہوں۔ اگر زمین کی کثافت بہت کم یا بہت زیادہ ہوتی تو میں ان کاموں میں سے کوئی کام بھی نہ کرسکتا۔ پھر زمین سے سورج کا فاصلہ بھی حیرت انگیز حد تک متناسب و موزوں ہے۔ اگر یہ فاصلہ کم و بیش ہوتا تو زمین پر میرا وجود ہی ممکن نہ تھا۔ مثلاً اگر یہ فاصلہ کم ہوتا جیسے عطارد اور زہرہ سیاروں کا ہے تو زمین سورج

کے قریب ہونے کے باعث ہمیشہ اس قدر شدید گرم رہتی کہ یہاں سیسہ بھی پگھلا ہوا مائع بن جاتا اور اگر یہ فاصلہ زیادہ ہوتا جیسے مریخ، مشتری، زحل، یورینس، نیپچون اور پلوٹو سیارہ کا ہے، تو زمین ہمیشہ یخ بستہ و سرد رہتی، اتنی سرد کہ پانی ہمیشہ برف کی شکل میں منجمد رہتا، کبھی اس قابل نہ ہو پاتا کہ اس سے زندگی جنم لے سکے۔ دیگر سیاروں کے سورج سے فاصلے اور ان کے مداروں کے زاویے ایسے بنائے گئے ہیں کہ وہ سیارے زمین سے کبھی نہیں ٹکراتے۔ نظامِ شمسی (SOLAR SYSTEM) کا یہ نظم وضبط ہی یہ ثابت کرنے کی کافی دلیل ہے کہ زمین کو خاص میری رہائش کے لیے بنایا گیا ہے۔

ان حقائق کی موجودگی میں، میں یہ کیسے مان لوں کہ کائنات اور میرا وجود محض ''اتفاق'' (COINCIDENCE) کی پیداوار ہے؟ کیا کسی پیشگی منصوبہ سازی کے بغیر ہی یہ سارا نظام وجود میں آ سکتا تھا؟ یقیناً اس کا جواب نفی میں ہے۔

میں کہاں سے آیا ہوں؟ کا دوسرا ممکنہ جواب یہ ہوسکتا ہے کہ میں نے خود اپنا وجود پیدا کیا ہے۔ یہ جواب بھی بداہتاً غلط ہے۔ میرا وجود مادی عناصر کا مجموعہ و مرکب ہے۔ گویا میں سرتا پا مادّہ ہوں۔ جو مادّہ ابھی خود وجود میں نہ آیا تھا وہ میرے وجود کے ذرّات کیسے تخلیق کر سکتا تھا؟ یہ ایسی بدیہی حقیقت ہے جس کا انکار کم ازکم میں تو نہیں کر سکتا کیونکہ میں ایک صاحب عقل مخلوق ہوں، کوئی بے شعور و بے جان مجسمہ نہیں۔

اب مسئلہ زیر بحث کا تیسرا جواب ہی درست اور حتمی ہوسکتا ہے (اس لیے کہ اوپر درج سوال کا کوئی امکانی جواب ممکن ہی نہیں) کہ مجھے اک قادرِ مطلق خالق نے عدم سے وجود بخشا ہے، میرے مشاہدات اور میرا علم مجھے یہی رہنمائی کرتا ہے کہ یہ تیسرا جواب بالیقین درست ہے۔ ہر منصوبہ اک منصوبہ ساز، ہر خاکہ اک خاکہ ساز اور ہر نقشہ اِک نقشہ ساز کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔ یقیناً کائنات کا منظّم خاکہ و نقشہ اک مدبّر و علیم منصوبہ ساز خالق کے وجود کی ناقابل تردید دلیل ہے۔

جب میں شہد کی مکھیوں کے کسی چھتے کی طرف دیکھتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں۔ موم سے بنا ہوا یہ چھتا چھوٹے چھوٹے سینکڑوں شش پہلو (HEXAGONAL) خانوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ چھتا نہ کسی مشین میں بنایا جاتا ہے اور نہ کسی ماہر کاریگر نے مکھیوں کو تحفہ دیا ہے بلکہ شہد کی

مکھیاں اپنا یہ چھتا خود تیار کرتی ہیں۔ کچھ کارکن مکھیاں ایک جانب سے اور کچھ دوسری کارکن مکھیاں دوسری جانب سے چھتا تیار کرنا شروع کرتی ہیں۔ اپنے منہ سے لعاب کی شکل میں نکلنے والے موم کو اس انداز میں جمع کرتی جاتی ہیں کہ شش پہلو خانے بنتے جاتے ہیں۔ تقریباً سبھی خانے ایک ہی جسامت اور حجم کے ہوتے ہیں۔ میں اکثر سوچا کرتا ہوں کہ آخر یہ مکھیاں شش پہلو خانے ہی کیوں بناتی ہیں، مربع، مثلث، مستطیل، دائرہ یا ہشت پہلوشکل کے خانے کیوں نہیں بناتیں؟ جاننے والے بتاتے ہیں کہ کسی مائع شے کو زیادہ سے زیادہ ذخیرہ کرنے کے لیے شش پہلوشکل سے بہتر اور کوئی شکل نہیں کیونکہ شش پہلوشکل کے خانوں کا حجم (VOLUME) باقی ہر شکل کے خانوں زیادہ ہوتا ہے۔ میں حیرت زدہ ہوں کہ مکھیوں کو یہ بات کس نے سجھائی ہے۔ اس شاہکار فن تعمیر (ARCHITECTURE) کا ڈپلومہ انہوں نے کس یونیورسٹی سے حاصل کیا ہے؟ انہوں نے کس ورکشاپ میں فرداً فرداً ایک ہی حجم و جسامت اور شکل کے خانے بنانے کی تربیت لی ہے؟ مکھیاں اپنے تیار کردہ چھتے میں جو شہد ذخیرہ کرتی ہیں، وہ بھی خود تیار کرتی ہیں۔ اگر میں یہ شہد خود تیار کرنا چاہوں تو مجھے ایک بہت بڑے پراجیکٹ کی ضرورت ہوگی، جس میں طرح طرح کی پیچیدہ مشینری فٹ کرنا ہوگی، اس کے لیے خام مال مہیا کرنا ہوگا جو مختلف عناصر یا مرکبات کی شکل میں آسانی سے دستیاب ہو، پھر اس پراجیکٹ کو چلانے کے لیے بہت زیادہ انرجی کی بھی ضرورت ہوگی۔ میں جانتا ہوں کہ شہد کی مکھیوں کے پاس بظاہر ان سب اشیاء میں سے کچھ بھی موجود نہیں ہوتا مگر اس کے باوجود وہ شہد تیار کرتی ہیں۔ انہیں یہ کون بتاتا ہے کہ ان کا خام مال پھولوں کے زردانوں (NECTARS) میں ہے؟ کیا انہوں نے یہ سارا فن محض سعی وخطا (TRIAL AND ERROR) کے کسی طویل عمل سے سیکھا ہے؟

اسی پر بس نہیں، میں دیکھتا ہوں کہ شہد کی مکھیاں اپنے بنائے ہوئے خانوں کو شہد سے بھرنے کے بعد یونہی ضائع ہونے کے لیے نہیں چھوڑ دیتیں، بلکہ انہیں موم کے ڈھکن سے باقاعدہ سربمہر (SEAL) کر کے میرے لیے محفوظ کر دیتی ہیں۔ شہد کی مکھیوں کو یہ ساری ہدایات کہاں سے ملتی ہیں؟ کیا ان عجائبات کی علت (CAUSE) محض ان کی جبلت (NATURE) ہے؟ کیا بے جان و بے شعور مادہ از خود اس جبلت کو تخلیق کر سکتا ہے؟ یہ سب محض ''اتفاقات'' کا

نتیجہ ہے؟

جب میں ان حقائق پر غور کرتا ہوں تو میرا دل اور دماغ یہ گواہی دیتا ہے کہ مادہ یا اتفاقات یا جبلت ایسے مربوط و منظّم اور پہلے سے مقرر شدہ (PRE PLANED) حقائق کو جنم نہیں دے سکتے بلکہ یقیناً ایک علیم و قدیر ہستی ان حقائق کی خالق ہے۔ جب میں اپنے وجود کی بناوٹ اور اس میں ہمہ وقت روبہ عمل ہونے والے نظاموں پہ غور کرتا ہوں تو میرا یہ یقین اور بھی پختہ ہو جاتا ہے۔ میرے وجود کا اِک اِک عضو اور اِک اِک خلیہ (CELL) یہ شہادت دیتا ہے کہ یہ کسی اَن دیکھے، بے مثال اور قادر مطلق انجینئر کی کاری گری کا شاہکار ہے۔

میرا دماغ کائنات کی سب سے پیچیدہ (COMPLEX) معلوم شے ہے، اس سے زیادہ پیچیدہ شے تا حال مشاہدہ میں نہیں آئی۔ دماغ کی تخلیق ایک ایسا عجوبہ ہے جس کی کوئی مثال کائنات میں معلوم نہیں، دماغ سارے جسم کے اعضا کو نہ صرف کنٹرول کرتا ہے بلکہ ان کے مابین رابطے کا کام بھی سر انجام دیتا ہے۔ اگر جسم کے کسی حصے کا دماغ سے رابطہ کسی سبب سے معطل ہو جائے تو وہ حصہ مفلوج (PARALYSED) ہو جاتا ہے، اگر ایسا مستقل طور پر ہو جائے تو وہ عضو یکسر بے کار ہو جاتا ہے۔ یہ دماغ ہی ہے جس کے ذریعے میں کائنات کی خوبصورتی کا مشاہدہ کرتا ہوں، اسی کے ذریعے میں دنیا بھر کی اطلاعات و آوازیں سنتا ہوں، اسی کے ذریعے انواع و اقسام کے کھانوں اور مرغوب غذاؤں کے ذائقے چکھتا ہوں، اسی کے ذریعے میں خوبصورت پھولوں کی خوشبو سونگھتا ہوں، اسی کے ذریعے مجھے کسی شے کی ملائمت یا کھردرے پن کا احساس ہوتا ہے، اسی کے ذریعے اپنی شریک حیات کے لمس و حرارت سے لطف اندوز ہوتا ہوں۔ اسی کے ذریعے سردیوں میں گرم دھوپ اور گرمیوں میں ٹھنڈے پانی کا احساس ہوتا ہے۔ اسی سے مجھے بھوک اور پیاس کا احساس ہوتا ہے۔ میں سوچا کرتا ہوں کہ یوں تو میرے لیے ہر احساس اتنا قیمتی ہے کہ اس کا کوئی نعم البدل نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر صرف سرد و گرم کا احساس ختم ہو جائے تو زندگی کس قدر پھیکی اور بدمزہ ہو جائے گی۔ لہٰذا میری جلد بھی میرے لیے اتنی ہی قیمتی ہے جتنی میری آنکھیں یا کان یا ناک یا زبان۔ اور سب سے قیمتی شے ہے ان سب کو کنٹرول کرنے والا دماغ جو سب احساسات کا مرکز ہے۔

یہ دماغ ہی ہے جو دنیا بھر کی کتابوں کو اپنے حافظے میں سمالیتا ہے، ہر قسم کے احساس کو محفوظ کرلیتا ہے، یہ حافظہ ہی تو ہے جس کے باعث میں اپنے ماں، باپ، بہن، بھائی، بیوی، بچے، دوست اور دشمن کی شناخت کسی دِقت کے بغیر کرلیتا ہوں۔ جس شخص کو میں نے صرف ایک بار نظر بھر کر دیکھا ہو اس کی تصویر میرے دماغ کے کینوس پر ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاتی ہے۔ اگر کہیں یہ حافظہ چھن جائے تو کیا ہو!!!

میرا دماغ ہی ہے جو مجھے بار بار یہ احساس دلاتا ہے کہ کوئی ہے جس نے مجھے عدم سے وجود بخشا ہے۔ میرا دماغ اپنی پیچیدگی کو گواہ بنا کر کہتا ہے کہ میں اندھے بہرے اتفاقات کے سبب معرضِ وجود میں نہیں آیا بلکہ علیم وقدیر خالق نے مجھے باقاعدہ منصوبے کے ساتھ پیدا کیا ہے اور ساری کائنات کو میری حیات قائم رکھنے کے لیے کام میں لگا رکھا ہے، میرے ذمے یہ ہے کہ میں اس کی سب نعمتوں کا شکریہ ادا کروں۔

میرا دماغ مجھے یقین دلاتا ہے کہ جس خالق نے مجھے پیدا کیا ہے، وہ میرے جیسا نہیں ہوسکتا کیونکہ میں اپنے ماحول کا سراپا محتاج ہوں، جو خود ماحول کا محتاج ہو وہ خالق کیسے ہوسکتا ہے؟ پھر وہ کیسا ہے؟ فی الحقیقت میں کوشش کے باوجود اس کی کوئی تصویر اپنے دماغ کے کینوس پر نہیں پاتا کیونکہ کائنات میں اس کی کوئی مثال ہی نہیں کہ جسے دیکھ کر میں کہہ سکوں کہ وہ ایسا ہے۔ پھر بھی نجانے کیوں میرے دماغ میں یہ احساس جڑ پکڑ چکا ہے کہ میرا خالق مجھے یہ الفاظ لکھتے ہوئے دیکھ رہا ہے، جس طرح میں اپنے ماحول سے آگاہ ہوں، اسی طرح وہ بھی مجھ سے بڑھ کر میرے ماحول سے آگاہ ہے۔ جو آوازیں مجھے سنائی دے رہی ہیں، وہ بھی انہیں سن رہا ہے۔ میں بے چین ہو کر اسے ادھر ادھر تلاش کرتا ہوں، وہ مجھے کہیں دکھائی نہیں دیتا، مگر مجھے یہ احساس ہو رہا ہے کہ وہ میرے قریب ہی ہے۔ ان سب احساسات کے باوجود مجھے یقین ہے کہ وہ کل کائنات سے ماوراء ہے، مجھے یقین ہے کہ جس خالق کل نے یہ وسیع کائنات تخلیق کی ہے، وہ خود اس کے مقابلے میں بہت بڑا ہے، کتنا بڑا؟ اس کی نسبت وتناسب طے کرنا میرے دماغ کے بس میں نہیں۔

میرے دماغ میں اچانک یہ خیال اُبھرا کہ کیا میں اپنے اس مہربان خالق سے رابطہ (COMMUNICATION) کرسکتا ہوں جس نے میری ضرورت کی ہر شے مجھے پیدا کرنے

سے بھی پہلے پیدا کر دی تھی؟ میں جانتا تھا کہ اہلِ مذہب (RELIGIOUS PEOPLE) خالق کائنات کو خدا (GOD) کہتے ہیں اور اس سے رابطے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں، کیوں نہ ان کو ٹٹولا جائے۔ براہ راست سبھی اہل مذہب کو ٹٹولنے کی بجائے میں نے ان کے مقدس صحیفوں (HOLY SCRIPTURES) کی طرف رجوع کرنا مناسب سمجھا۔ میں نے سبھی صحیفوں میں خدا سے رجوع کرنے کی تعلیم تو موجود پائی مگر مجھے ان صحیفوں میں خود ''خدا'' کے بارے میں ایسے عجیب وغریب تصورات کا سامنا ہوا کہ میں چکرا کے رہ گیا۔ میں نے دیکھا کہ میرے قلب و دماغ نے خدا کے بارے میں جو تصورات قائم کیے تھے، جن کا تذکرہ میں نے اوپر کیا ہے، ان صحیفوں کے تصورات ان سے قطعی متضاد و مختلف ہیں۔ کسی صحیفے نے خدا کو باپ اور بیٹے کے رشتے میں جکڑ رکھا ہے، جہاں باپ مجبور اور بیٹا مختارِکل دکھائی دیتا ہے۔ کسی صحیفے نے خدا کو ماورائے کائنات ماننے کی بجائے، کائنات کو خدا کے وجود کا جزو قرار دیا ہے تو کسی نے خود کائنات کو ہی خدا بنا رکھا ہے۔ کسی کے نزدیک کائنات کے دو خدا ہیں، ایک نے ظلمت کو پیدا کیا تو دوسرے نے نور کو، کسی نے خود انسان کو ہی خدا قرار دیا ہے۔

ہاں ایک مقدس کتاب مجھے ایسی بھی ملی جس میں خدا کے بارے میں مجھے بعینہٖ وہی تصورات ملے جو میرے قلب و دماغ نے فطرت کا مطالعہ کرنے کے بعد قائم کیے تھے۔ جس ہستی نے اتنی وسیع وعریض اور عظیم الشان منظّم کائنات محض عدم سے پیدا کر دی ہے، یقیناً وہ ہر شئے پر قادر (OMNIPOTENT) ہے۔ ہر وہ کام جو مجھے بظاہر غیر ممکن دکھائی دیتا ہے، اس کے لیے بالکل آسان ہے۔

کائنات کی تشکیل بتاتی ہے کہ اس کا خالق اس کے ادنیٰ سے ادنیٰ تر ذرّے اور اس کے اَفعال وخواص سے پوری طرح باخبر ہے۔ میں بھی کتنا پگلا ہوں، جس نے پیدا کیا بھلا اسی کو خبر نہ ہوگی! جس نے میری زندگی کے ہر لمحے کی ضروریات میرے وجود سے پہلے پیدا کیں، یقیناً اسے ہر شئے کا پیشگی علم ہے۔ میری زندگی ہی نہیں کل کائنات کے اِک اِک لمحے کی اسے پہلے سے خبر ہے۔ کتنا مہربان اور کبیر الشان ہے میرا خالق۔ میرے علیم وعظیم خالق کی مقرر کردہ ''تقدیر'' کیا ہی خوب ہے۔

ہر شئے ایسے نظم و ترتیب کی حامل ہے کہ میں سہولت کے ساتھ اس کا گہرا مشاہدہ کر سکتا ہوں اور اس سے معقول نتائج اخذ کر سکتا ہوں، اگر ایسا نہ ہوتا تو کائنات کا مطالعہ کرنا میرے لیے غیر ممکن ہوتا۔ کائنات کا مطالعہ کرنے سے ہی اس کے بعض گوشوں کو مسخر کرنا میرے لیے ممکن ہوا ہے۔ اک ادنیٰ مخلوق ہونے کے باوجود سیٹلائٹ ٹیکنالوجی میری رسائی میں ہے، اس ٹیکنالوجی کی مدد سے میں کائنات کے دور دراز گوشوں میں بھی جھانک سکتا ہوں، زمین تو ہمہ وقت میرے سامنے ہے، میں جب چاہوں، زمین کے جس کونے میں چاہوں دیکھ سکتا ہوں، ہزاروں میل کے فاصلے سے زمین پہ پڑی سوئی بھی دیکھ سکتا ہوں، اسی پر بس نہیں بلکہ آرام سے کرسی پر بیٹھے بیٹھے سمندر کی گہرائیوں اور زمین کی پنہائیوں میں چھپے خزانے بھی کھنگال سکتا ہوں، جس خالق نے اس سیٹلائٹ ٹیکنالوجی کے اسباب و ذرائع پیدا کیے ہیں، اس کے مشاہدہ کا عالم کیا ہوگا، جب میں سوچتا ہوں تو انگشت بدنداں رہ جاتا ہوں۔ کائنات کی وہ کونسی شئے ہے جو اس سے پوشیدہ ہے۔

ایٹم کے بنیادی ذرّات سے لے کر کائنات کی وسعتوں تک ہر شئے کو بغیر کسی آلے کے دیکھتا ہے اور معمولی سے معمولی (MINIMUM) فریکوئنسی سے لے کر زیادہ سے زیادہ (MAXIMUM) فریکوئنسی کی تمام آوازوں (بشمول الٹراسونکس اور سپرسونکس) کو خود براہ راست بغیر کسی آلے کے سنتا ہے۔ ہاں اس دیکھنے اور سننے سے اس کے ازلی علم میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ ہر شئے اور ہر حادثہ سے ہمیشہ سے واقف ہے۔ چنانچہ وہ کل کائنات کا تنہا نگہبان ہے۔

میرے خالق کے یہ کمالات بتلاتے ہیں کہ وہ زندۂ جاوید ہے، کوئی بے جان و بے شعور ہستی نہیں۔ وہ کب سے زندہ ہے؟ یہ تو یقینی بات ہے کہ وہ کائنات کی تخلیق سے پہلے بھی زندہ تھا، وقت دو حوادث کے درمیانی وقفہ کا نام ہے، خالق کائنات سے پہلے کسی حادثہ (INCIDENT) کا مجھے علم نہیں، اس لیے اس سے قبل وقت کا تصور میرے لیے محال ہے، لہٰذا میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کب سے زندہ ہے البتہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہمیشہ سے زندہ ہے، میری زندگی اور اس کی زندگی میں کوئی مماثلت نہیں، جس حیاتِ خلویہ (CELLULAR LIFE) کا میں حامل ہوں، وہ زندۂ جاوید اس سے مبرأ و منزہ ہے، کیونکہ میری حیاتِ خلویہ مخصوص ماحول کی محتاج ہے، جبکہ وہ اُس لمحے بھی زندہ تھا جب اس کے سوا کسی شئے کا وجود تک نہ تھا، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ

خود یا اس کی زندگی کسی بھی شئے کی محتاج نہیں۔اس کا منطقی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اس کی کوئی نظیر و مثال نہ تھی، نہ ہے، نہ کبھی ہوگی۔پس میری محدود قدرت اور محدود علم کو اس کی لامحدود قدرت و علم سے کوئی نسبت ہی نہیں، مشابہت و مماثلت کا کیا سوال؟۔

صحیفۂ فطرت کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنی قدرتِ مطلقہ سے اپنے علم کی بنیاد پر جب چاہا، جو چاہا پیدا کیا، یہ حقیقت میری رہنمائی کرتی ہے کہ وہ صاحبِ ارادہ ہستی ہے، یوں بھی وہ قدرت، قدرتِ کاملہ کہلانے کی مستحق ہی نہیں جو 'ارادہ' پر قادر نہ ہو۔اس کا ارادہ اس کی ذات کے ساتھ اسی طرح ہمیشہ سے قائم ہے، جس طرح اس کا علم و قدرت اور حیات اس کے ساتھ قائم ہے، ہمیشہ وہی ہوا جس کا ارادہ اس نے ازل میں کیا تھا اور وہ نہیں ہوا جس کا ارادہ اس نے نہیں کیا۔

یقیناً اس کا علم، قدرت، حیات، ارادہ اور ذات کی جملہ صفات ایسی بے نظیر ہیں کہ میں کوشش کے باوجود ان میں سے کسی ایک کی مثل تلاش نہیں کرسکا۔یہی سبب ہے کہ جب میں اس کے وجود کو اپنے ذہن میں متصور کرنا چاہتا ہوں تو اس کی کوئی تصویر میرے دماغ کے کینوس پر نہیں اُبھرتی۔جبکہ اس کے بارے "سب کچھ"، نہیں کم از کم "بہت کچھ" جاننے کے لیے میرا تجسّس بڑھتا چلا جارہا ہے۔کیا یہ عین ممکن ہے کہ وہ خود اپنے بارے میں بتلائے؟

مہربان خالقِ کائنات نے شہد کی مکھی کو اس کے فرائض تفویض کیے ہیں اور انھیں پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے طریقے بھی سکھائے ہیں، وہ یہ بھی جانتا ہے کہ مجھے ایک کامیاب انسان کی حیثیت سے زندگی گزارنے کے لیے شہد کی مکھی سے بھی بڑھ کے اس کی رہنمائی کی ضرورت ہے، زندگی کے سینکڑوں معاملات میں مجھے ٹھیک سے سجھائی نہیں دیتا کہ میں کیا کروں؟ اس صورت میں عموماً میں اپنی عقل اور سابقہ تجربے پہ بھروسا کرتا ہوں یا اکثریت کی رائے کی اتباع کرتا ہوں، لیکن بعد میں حاصل ہونے والی نئی معلومات اور تجربات میرے سابقہ رویے کو قطعی غلط قرار دیتے ہیں، میں اپنی ساری توانائی کو مجتمع کر کے ازسرِ نو نئی رائے قائم کرتا ہوں مگر بالآخر وہ بھی غلط ثابت ہوتی ہے۔آخر میں کب تک اپنی انفرادی یا اجتماعی غیر معقول و غیر مستحکم 'رائے' کے پیچھے یوں دیوانہ وار چلتا رہوں گا؟ میں زندگی کی مستقل شاہراہ پہ کب پہنچوں گا اور کب تک ناہموار

پگڈنڈیوں پر بھٹکتا رہوں گا؟ جس خالق نے میری ضرورت کی ہر شئے پیدا کی ہے کیا وہ میری رہنمائی نہیں کرے گا؟ کیا وہ مجھ سے رابطہ کرکے شہد کی مکھی کی طرح مجھے بھی ''ہدایت'' (GUIDANCE) نہیں دے گا؟ اس کے بارے میں میرے قلب و دماغ میں جو تجسّس عرصہ سے پل رہا ہے، کیا وہ اس تجسّس کی تسکین نہیں کرے گا؟

میرا دل گواہی دیتا ہے کہ میرا خالق میری زندگی کی کشتی کو دنیا کے سمندر کی لہروں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا۔ جیسے وہ شہد کی مکھی اور ہر جاندار کی راہنمائی کرتا ہے، یقیناً میری رہنمائی بھی کرسکتا ہے۔ میں اک ادنیٰ مخلوق ہونے کے باوجود اس کے پیدا کیے ہوئے ذرائع و وسائل کو استعمال کرکے انٹرنیٹ پر دنیا میں کسی بھی جگہ موجود شخص سے براہِ راست رابطہ کرسکتا ہوں، اس کے لیے میرے اور اس کے درمیان کوئی مادّی وسیلہ (MATERIAL MEDIUM) موجود نہیں ہوتا۔ تو کیا میرا قادرِ مطلق خالق مادّی وسائل کے بغیر مجھ سے رابطہ قائم کرنے سے قاصر ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ یقیناً وہ کسی مادّی و مرئی وسیلہ کے بغیر میری نوع کے کسی بھی فرد سے رابطہ کرسکتا ہے۔

میری نوع کی تاریخ میں ایسے ہزاروں افراد گزرے ہیں جنھوں نے نہ صرف یہ دعویٰ کیا کہ خالق کائنات ان سے رابطہ کرتا ہے بلکہ یہ بھی کہا کہ اس علیم و قدیر مالک نے انھیں کامل شخصیت کے جملہ اوصاف اور کامیاب زندگی گزارنے کے سنہری اصول بھی سکھائے ہیں۔ ان افراد نے خود کو خالق کائنات کے پیغامبر (MESSENGERS) کی حیثیت سے پیش کیا اور اس کے پیغام کو ''کامل ہدایت'' یا الہدیٰ (ULTIMATE GUIDANCE) کا نام دیا۔

میرے خالق کے ان پیغامبروں میں آدم، نوح، ہود، صالح، شعیب، الیاس، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، داوٗد، سلیمان، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، محمد (علیہم السلام اجمعین) کے نام نمایاں ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ یہ سب ہستیاں ایسی کامل شخصیت کی حامل تھیں، جس میں کوئی عیب تلاش نہیں کیا جاسکتا۔ خالق کائنات کے سب پیغامبر نہایت راست باز، حق گو، جری، نیکی پر عامل اور نیکی کی طرف بلانے والے اور بدی سے دُور اور بدی سے روکنے والے تھے۔ یہی سبب ہے کہ ہر پیغامبر کے معاصر انسانوں میں سے سب سے زیادہ راست باز اور کامل افراد نے اس کی صداقت کی گواہی دی۔ حتیٰ کہ اس کے دشمن بھی یہ تسلیم کرتے تھے کہ اس سے بڑھ کر سچا

اور کوئی نہیں۔ ہر پیغامبر نے خالق کائنات کی وہی صفات بتلائیں جو صحیفہ کائنات کے گہرے مطالعہ سے منکشف ہوتی ہیں۔ اس نے نہ صرف محسوس ومشہود کائنات کے حقائق سے آگاہ کیا بلکہ حواس سے پرے کی دنیا کے حقائق سے بھی پردہ اُٹھایا۔ اس نے معاشرے کے کسی خاص طبقے کی بجائے ہر انسان کے حقوق کی بات کی۔ ان میں سے کوئی پیغامبر اپنے دیے ہوئے پیغام سے کبھی منحرف نہیں ہوا۔ چنانچہ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ سب پیغامبر سچے تھے۔ واقعتاً خالق کائنات نے انھیں اپنا پیغام پہنچانے کی ذمہ داری سونپی تھی اور سبھی نے اپنی ذمہ داری کما حقہ پوری کی۔

جب میں اپنے خالق کے پیغامبروں کے مفصل پیغام کی تلاش کے لیے تاریخ کی طرف رجوع کرتا ہوں، تو مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ کسی پیغامبر کا پیغام اپنی اصلی (ORIGINAL) حالت میں محفوظ نہیں سوائے پیغمبر محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے پیغام کے۔ یہ پیغام فی الحقیقت میرے خالق کا پیغام ہے۔ جبکہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اس کے پیغام کو پوری وضاحت کے ساتھ پہنچانے والے ہیں۔

دوسرے پیغامبروں کا پیغام اوّل تو تاریخ کی گرد تلے دب کر کہیں گم ہو گیا ہے، جن پیغامبروں سے منسوب بعض اسفار (HOLY SCRIPTURES) دستیاب ہیں ان میں اس قدر ردّوبدل کیا جا چکا ہے کہ ان کا اصلی پیغام نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے اور اس کی جگہ بعد والوں کی تحریفات وترامیم (AMENDMENTS) نے لے لی ہے، چنانچہ پورے وُثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ اسفار ان پیغامبروں کا اصلی پیغام بہر کیف نہیں ہیں، خواہ وہ عہد نامہ قدیم (OLD TESTAMENT) ہو یا عہد نامہ جدید (NEW TESTAMENT)۔

زمانی ترتیب کے اعتبار سے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) آخری پیغامبر ہیں۔ آپ نے خالق کائنات کا جو پیغام نوعِ انسانی تک پہنچایا ہے اس کے بنیادی اصول بعینہٖ وہی ہیں جو سابقہ پیغامبروں نے پیش کیے، چنانچہ اگر کوئی شخص سابقہ پیغامبروں کے اصلی پیغام سے آگاہی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے پیش کیے ہوئے پیغام کی طرف رجوع کرے، کیونکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ یہ آخری پیغام اپنی اصل حالت میں محفوظ ہے۔ صرف پیغام ہی نہیں بلکہ اس کے پیغامبر محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی پاکیزہ زندگی کی تمام

جزئیات مکمل طور پر محفوظ ہیں اور اس تک رسائی ہر انسان کے بس میں ہے۔ خالق کائنات، جسے خدائے واحد بھی کہہ سکتے ہیں، کے آخری پیغام کا نام قرآن ہے۔

قرآن اصلاً عربی زبان میں ہے، جو تقریباً ساڑھے چھ ہزار چھوٹے بڑے جملوں (VERSES) پر مشتمل ہے۔ یوں تو قرآن ایک مدوّن کتاب کی شکل میں موجود ہے تاہم قرآن کا اسلوب اور اندازِ بیان کتاب سے زیادہ خطاب (SERMON/ ADDRESS) کا سا ہے۔ اس اعتبار سے قرآن 114 چھوٹے بڑے خطبات کا مجموعہ ہے، مگر یہ خطبات کسی انسان کے نہیں بلکہ خالق کائنات کے ہیں۔ ان خطبات میں وعظ و نصیحت بھی ہے اور زجر و توبیخ بھی، اخلاق و آداب بھی ہیں اور اصول و قوانین بھی، اَنفس و آفاق کے حقائق بھی ہیں اور تاریخ انسانی کے عبرت آموز واقعات بھی۔

قرآن نہ صرف اصل عربی زبان میں کتابی شکل میں محفوظ ہے بلکہ ہزاروں انسانوں کے حافظے میں بھی محفوظ ہے، اپنے نزول سے اب تک لاکھوں انسانوں کے حافظے میں محفوظ تھا اور ہر نسل نے دوسری نسل کو سینہ بہ سینہ اسے منتقل کیا ہے۔ لہٰذا اس کا کوئی امکان نہیں کہ اس کا کوئی حصہ ضائع ہو گیا ہو، یا بعد والوں نے اس میں کچھ اضافہ یا ترمیم کر دی ہو۔ اس کی اسنادی حیثیت (AUTHENTICITY) ہر لحاظ سے مسلم ہے۔ بلاشبہ یہ تمام پیغامبروں کے پیغامات کا جامع ترین نمونہ (EDITION) ہے۔

آئندہ ابواب میں اسی قرآن مجید سے اس کے پیش کرنے والے پیغامبر امام المرسلین محمد عربی ﷺ کے احوال اور ان احوال کے متعلقات کی تفاصیل بیان کی جائیں گی۔ یوں محمد عربی ﷺ کے لائے ہوئے اس پیغام سے واضح ہو جائے گا کہ میرا مہربان خدا مجھ سے کیا چاہتا ہے اور میں اس کے مطالبات کیسے پورے کر سکتا ہوں؟

پاکستانی ایک ملت ہیں یا قوم؟

ڈاکٹر ضمیر اختر خان

مسلم اکثریت کے ملک میں، جس کی بنیاد لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ پر ہے یہ سوال بڑا عجیب سا ہے کہ اس کے باسی ایک ملت ہیں یا کہ معروف معنیٰ میں قوم ہیں؟ اس سلسلے میں کچھ آزاد منش اور دوسروں کے ٹکڑوں پر پلنے والے نام نہاد صحافی اور دانشور ریاست پاکستان کا قومی بیانیہ پاکستانیوں کے سامنے پیش کررہے ہیں اور یہ ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ پاکستانی بھی اسی طرح کی ایک قوم ہیں جیسے کہ ہندو، انگریز، جرمن وغیرہ ہیں۔ ایسے لوگ قومیّت اور قوم پرستی کے بارے میں اسلام کے اصول کو بالکل ہی بھول جاتے ہیں اور صرف یہی نہیں کہ مسلمانوں کے لیے غیر مسلموں کے ساتھ متحدہ قومیّت میں شریک ہونے کو جائز سمجھ لیتے ہیں، بلکہ اس حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں کہ قوم پرستی (Nationalism) جیسی ملعون چیز کو بھی قبول کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے میں دریغ نہیں کرتے۔ ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے اس مضمون میں کوشش کی جائے گی کہ اسلام کی روشنی میں جائزہ لیا جائے کہ کیا پاکستانی دنیا کی دوسری قوموں کی طرح محض ایک قوم ہیں یا کہ ایک ملت ہیں۔ اس سے یہ بھی واضح ہوگا کہ اسلام انسانوں کو کس بنیاد پر جوڑتا اور کاٹتا ہے۔ ان شاء اللّٰہ۔

تفصیلات میں جائے بغیر اختصار سے اگر قومیّت کے مشترکات معلوم کیے جائیں تو ان میں اشتراکِ نسل، وطن، زبان، رنگ، معاشی اغراض اور نظامِ حکومت کا اشتراک نمایاں ہیں۔

قدیم ترین عہد سے لے کر آج اکیسویں صدی کے روشن زمانے تک جتنی قومیّتوں کے عناصر اصلیہ کی تحقیق کی جائے تو ان سب میں یہی عناصر ملیں گے۔اب سے دو تین ہزار برس قبل یونانیت، رومیت، اسرائیلیت، ایرانیت وغیرہ بھی انہی بنیادوں پر قائم تھیں،جن پر آج امریکیّت، انگریزیت،فرانسیسیّت اور جاپانیت وغیرہ قائم ہیں۔قومیّت کی یہ وہ بنیادیں ہیں جو بنی نوع انسان کے لیے ایک شدید مصیبت ہیں۔انہوں نے ایک خالق کی مخلوق اور ایک آدم کی نسل کو سینکڑوں ہزاروں حصوں میں تقسیم کر دیا ہے،اور حصے بھی ایسے کہ ایک حصہ فنا کیا جا سکتا ہے،مگر دوسرے حصے میں کسی طرح تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

خالص عقلی طور پر بھی نسلِ انسانی کی تفریق کے لیے یہ کوئی ٹھوس بنیادیں نہیں ہیں۔یہ صرف حسی اور مادی تفریقیں ہیں جن کا ہر دائرہ زاویۂ نظر کی ہر وسعت پر ٹوٹ جاتا ہے۔ان کا قیام و بقا جہالت کی تاریکی،نگاہ کی محدودیت اور دل کی تنگی پر منحصر ہے۔علم وعرفان کی روشنی جس قدر پھیلتی ہے،قلب میں جتنی جتنی وسعت پیدا ہوتی جاتی ہے،یہ مادی وحسی پردے اٹھتے چلے جاتے ہیں،یہاں تک کہ نسلیّت کو انسانیت کے لیے اور وطنیت کو آفاقیت کے لیے جگہ خالی کرنی پڑتی ہے، اختلاف رنگ وزبان میں جوہرِ انسانی کی وحدت جلوہ گر ہوتی ہے،اللہ کی زمین میں اللہ کے سب بندوں کی معاشی اغراض مشترک پائی جاتی ہیں،اور سیاسی نظامات کے دائرے محض چند سائے نظر آتے ہیں جو آفتاب اقبال کی گردش سے روئے زمین پر چلتے پھرتے اور گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں۔

اسلام کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو اس نے انسانوں کے درمیان کسی مادی اور حسی فرق کو تسلیم نہیں کیا ہے۔اس کے نزدیک سب انسان ایک ہی اصل سے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:''اُس (اللہ) نے تمھیں ایک ہی جان سے پیدا کیا۔پھر اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا،اور ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو (دنیا میں) پھیلا دیا'' (النساء:1)۔اسلام نے پیدائش اور وفات کی جگہ کو کوئی جوہری مقام نہیں دیا اور سب کو ایک ہی قرار دیا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''اور وہی ہے جس نے تم کو ایک جان سے پید کیا پھر ہر ایک کا ایک ٹھکانا (جائے پیدائش) ہے اور ایک جگہ اس کے سپردِ خاک ہونے کی ہے'' (الانعام:98)۔نسل، خاندان،شعوب وقبائل کا اختلاف صرف تعارف کے لیے ہے۔اگر کوئی حقیقی تفریق ہے تو وہ اخلاق واعمال،نیکی اور بدی کی بنا پر ہے

(الحجرات:13)۔ پورے قرآن میں ایک لفظ بھی نسلیت یا وطنیت کی تائید میں نہیں ملتا۔اس کی دعوت کا خطاب پوری نوع انسانی سے ہے۔تمام روئے زمین کی انسانی مخلوق کو وہ خیر وصلاح کی طرف بلاتا ہے۔اس میں نہ کسی قوم کی تخصیص ہے اور نہ کسی سرزمین کی۔اس نے اگر کسی زمین کے ساتھ خاص تعلق پیدا کیا ہے تو وہ صرف مکہ کی زمین ہے،لیکن اس کے متعلق بھی صاف کہہ دیا:''اس کے اصلی باشندے اور باہر والے مسلمان سب برابر ہیں'' (الحج:3)۔اور جو مشرکین وہاں کے اصلی باشندے تھے ان کے متعلق فرمایا کہ وہ نجس ہیں،ان کو سے وہاں سے نکال باہر کرو(التوبۃ:4)۔

اس طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جاہلیت کی ان تمام محدود مادی،حسی اور وہمی بنیادوں کو جن پر دنیا کی قومیّتوں کی عمارتیں قائم کی گئی تھیں ڈھا دیا۔ رنگ، نسل، وطن، زبان، معیشت اور سیاست کی غیر عقلی تفریقوں کو،جن کی بنا پر انسان نے اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے انسانیت کو تقسیم کر رکھا تھا،مٹا دیا اور انسانیت کے مادے میں تمام انسانوں کو برابر اور ایک دوسرے کا ہم مرتبہ قرار دے دیا۔اس تخریب کے ساتھ اسلام نے خالص عقلی بنیادوں پر ایک نئی قومیّت تعمیر کی۔اس کی بنا بھی امتیاز پر تھی،مگر مادی اور غرضی امتیاز پر نہیں بلکہ روحانی اور جوہری امتیاز پر۔اس نے انسان کے سامنے ایک فطری صداقت پیش کی جس کے نمایاں خدوخال ایک اللہ کی بندگی و اطاعت،نفس کی پاکیزگی و طہارت،عمل میں نیکی اور پرہیزگاری ہیں۔اسی کی دعوت اس نے تمام نوع بشری کو دی۔پھر کہہ دیا کہ جو اس دعوت کو قبول کرے،وہ ایک قوم سے ہے یعنی وہ ایک اُمت اور ملت سے ہے اور جو اس کو ردّ کر دے،وہ دوسری قوم سے ہے۔دوسرے الفاظ میں ایک قوم ایمان واسلام کی ہے،اور اس کے سب افراد ایک امت ہیں۔اور ایک قوم کفر و گمراہی کی ہے،جس کے متبعین اپنے اختلافات کے باوجود ایک گروہ ہیں۔ان دونوں قوموں کے درمیان بنائے امتیاز نسل و نسب نہیں،اعتقاد و عمل ہے۔ہوسکتا ہے کہ ایک باپ کے دو بیٹے اسلام اور کفر کی تفریق میں جدا جدا ہو جائیں،اور دو بالکل اجنبی آدمی اسلام میں متحد ہونے کی وجہ سے ایک قومیّت میں مشترک ہوں۔

متذکرہ بالا حقائق کی روشنی میں ذرا پاکستانی قومیّت کا جائزہ لیتے ہیں کہ وہ قومیّت کے کس معیار پر پورا اترتی ہے۔نسلی قومیّت کے لیے تو پاکستان میں کوئی اساس موجود نہیں ہے کیونکہ پاکستان میں کسی ایک نسل سے تعلق رکھنے والے لوگ نہیں رہتے۔یہاں دراوڑی (بلوچستان کے

براہوی قبائل)، آریائی، منگول، سامی، بلوچ بھی رہتے ہیں۔ شمالی علاقہ جات میں شین اور بلتی بھی ہیں۔ الغرض یہاں کسی ایک نسل کے لوگ ایسی غالب اکثریت میں نہیں ہیں کہ نسلی قوم پرستی کی بنیاد پر پاکستانیوں کو ایک قوم قرار دیا جائے۔

اسی طرح لسانی قوم پرستی کا معاملہ ہے۔ یہاں پر کوئی ایک زبان نہیں بلکہ کئی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ سب سے قدیم زبان سندھی کو سمجھا جاتا ہے۔ زبان نے تو اس ملک کو دولخت کر دیا۔ یہ بنگلہ نیشنل ازم کا کارگر وارہی تھا جس نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں سب سے مؤثر کردار ادا کیا۔ اگرچہ باقی ماندہ پاکستان میں وہ واحد زبان جو اس کے ہر حصے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے صرف اور صرف اردو ہے، تاہم اس کا عمل دخل اتنا بہر حال نہیں ہے کہ اسے ایک لسانی قومیّت کی بنیاد بنایا جاسکے۔ قصہ مختصر یہ کہ ہمارے پاس کل پاکستان اساس پر کسی لسانی قومیّت سے پیدا شدہ جذبہ عمل تو درکنار، تاحال قومی زبان کے مسئلے کا حل بھی موجود نہیں ہے۔

جہاں تک وطنی قومیّت یا پاکستانی نیشنل ازم کا تعلق ہے، وہ بھی تاحال وجود میں نہیں آسکی اور نہ قیامت تک آسکے گی۔ اس کی اولین اور اہم ترین وجہ یہ ہے کہ پاکستان دوقومی نظریہ کی اساس پر وجود میں آیا تھا جو وطنی قومیّت کے نظریے کی کامل نفی کی حیثیت رکھتا ہے۔ سادہ سی بات ہے کہ کوئی ملک اگر کسی نظریے کی کامل نفی کر کے قائم ہوا ہو تو پھر وہی نظریہ اس کے استحکام کے لیے جڑ بنیاد کا کام کیسے دے سکے گا۔ تقسیم سے قبل کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت بالکل نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ انڈین نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ کے مابین اختلاف ونزاع کی اصل بنیاد ہی یہ تھی کہ کانگریس مذہب وملت اور قومیّت کو علیحدہ علیحدہ سمجھتی تھی جبکہ مسلم لیگ کا موقف یہ تھا کہ مسلم قومیّت کی اساس مذہب اسلام پر ہے۔ کانگریس کے نزدیک ہندوستان میں مذاہب بہت سے تھے لیکن ان سب کے پیروؤں پر مشتمل قوم ایک ہی تھی یعنی انڈین نیشن یا ہندی قوم جبکہ مسلم لیگ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ یہ صورت دوسرے جملہ مذاہب کے ماننے والوں کے لیے قابل قبول ہو تو ہو کم ازکم مسلمانوں کے لیے ہرگز قابل قبول نہیں، اس لیے کہ ان کی قومیّت کی اساس مذہب پر ہے، لہٰذا وہ ایک علیحدہ قوم ہیں اور اپنے جداگانہ تشخص کے بقا کی ضمانت کے طور پر علیحدہ ملک کے حقدار ہیں۔ اسی موقف کو قائداعظم نے نہایت شدومد سے پیش کیا اور اس موضوع

پر 115 ارشادات میں انہوں نے مسلمانوں کے جداگانہ تشخص کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی نظام، خلافت، سود سے پاک معیشت، شریعت کے مطابق قانون سازی، اسلامی نظام عدل، نبی ﷺ کا قائم کردہ عادلانہ نظام اور اسلام کے اصول حریت ومساوات کو بار بار اپنے خطابات میں مسلم عوام کے سامنے پیش کیا۔ علاوہ ازیں مفکر ومصور پاکستان علامہ محمد اقبال نے واشگاف الفاظ میں وطنی قومیّت کے تصور پر کاری ضرب لگائی۔ وہ فرماتے ہیں:

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے
بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام تیرا دیس ہے، تو مصطفوی ہے

قصہ مختصر۔ وطنی قومیّت کا نظریہ تحریک پاکستان کی نفی ہے اور اس کے فروغ سے پاکستان کی جڑیں مزید کھوکھلی تو ہوسکتی ہیں مضبوط نہیں ہوسکتیں۔ دوسری وجہ جو وطنی قومیّت کے تصور کو اختیار کرنے میں مانع ہے وہ مسلمان کی طبعی ساخت ہے۔ مسلمان خواہ باعمل (Practicing) ہو، خواہ بے عمل (Non-practicing)، بہر حال اس کے مزاج کی ایک مستقل ساخت اور اس کی طبیعت کی ایک خاص افتاد ہے، جس میں زمین کی پرستش اور 'وطن' کے تقدس کے تصور کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ گویا اس کی شخصیت کا خمیر جس مٹی سے اٹھا ہے، اس میں 'حب وطن' کا مادہ تو ہوسکتا ہے 'وطن پرستی' کا امکان نہیں ہے۔ ہندوؤں کے تصور ''دھرتی ماتا'' کے برعکس مسلمانوں کے ہاں زمین کے مقدس یا دیوتا ہونے کا کوئی تصور موجود نہیں ہے بلکہ اس کا مزاج 'آفاقی' ہے اور اس کے جذبات میں گرمی اور احساسات میں ہلچل 'اللّٰہ اکبر' کے نعرے سے ہوتی ہے۔ علامہ اقبال نے 'قید زمینی' کے تصور پر نہایت زوردار تیشہ چلایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی — رہ بحر میں آزاد وطن صورت ماہی
ہے ترک وطن سنت محبوبِ الٰہی — دے تو بھی نبوت کی صداقت کی گواہی
گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے — ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے!

اُمت مسلمہ: ماضی، حال اور مستقبل

ڈاکٹر دوست محمد

(بشکریہ ہفت روزندائے ملت لاہور، 19 مئی 2016ء)

تاریخی لحاظ سے جب اُمت مسلمہ کا جائزہ لیا جاتا ہے تو اس میں واضح طور پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہود و نصاریٰ کی جدوجہد کے گہرے اثرات نظر آتے ہیں۔ اگرچہ آج ہمارے ہاں دانشوروں کا ایک گروہ ایسا بھی موجود ہے جو سازشی تھیوری کو ردّ کرتے ہوئے مسلمانوں کے زوال کا سارا ملبہ مسلمانوں ہی پر گرانا چاہتے ہیں لیکن جو آدمی بھی جناب رسول اللہ ﷺ کی مدینہ میں ہجرت اور وہاں ایک پاک ریاست کے قیام اور آپ ﷺ کی وفات اور بعد کے خلفائے راشدین کے اَدوارِ حکومت پر غیر جانبدارانہ اور گہری نظر ڈالے گا تو سازشی تھیوری کا ضرور قائل ہوگا۔ مدینہ منورہ میں یہودیوں نے نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کے خلاف ہر ممکن جدوجہد اور سازش کی، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی مرض الموت میں بھی اسی زہر کا اثر تھا جو یہودیوں نے ایک عورت کے ذریعے آپ ﷺ کو کھلایا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں جو شورشیں برپا ہوئیں اس کے پیچھے عبداللہ بن سبا اور یہودیوں کی سازشوں پر سارے مسلمان مؤرّخین متفق ہیں۔

جب خلفائے راشدین کے دور مبارک میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں شام فتح ہوا اور بیت المقدس مسلمانوں کے قبضے میں آیا تو اہل روم (عیسائی) بھی مسلمانوں کے خلاف بھڑک اٹھے اور یہیں سے صلیبی لڑائیوں کی بنیاد ڈالی گئی جو صلاح الدین ایوبیؒ کے زمانے میں اپنے معراج پر

پہنچیں۔ ایوبی فتوحات اور سلطان محمد فاتح کی قسطنطنیہ کی فتح نے تو دنیا بھر کے عیسائیوں بالخصوص مذہبی طبقۂ مسیحیت کو شعلہ جوالہ بنا کر رکھ دیا۔ یورپ کے پادریوں نے مذہبی جوش و جذبہ کے تحت پورے یورپ کو اتحادی بنا کر مسلمانوں کے خلاف متحرک کر کے بیت المقدس پر قبضہ کرایا۔ اس جنگ کے دوران جب بیت المقدس عیسائیوں کے ہاتھ میں چلا گیا تو فاتح مسیحی افواج نے یہاں جو کچھ کیا وہ ایک مسیحی مؤرخ یڈورڈ گبن کے الفاظ میں آج بھی محفوظ ہے۔ اس نے لکھا کہ اس جنگ میں مسلمانوں کا اس قدر خون بہایا گیا کہ ان کے گھوڑوں کی ٹانگیں خون میں ڈوب رہی تھیں۔

سولہویں صدی میں یورپ میں ایک طرفہ تماشا ہوا کہ ایک طرف مغرب اپنی نشاۃ ثانیہ کی تحریک کے ذریعے مذہبی جنونیت کے خلاف اٹھ رہا تھا، سائنس اور صنعت کے ذریعے ترقی کی راہ پر گامزن ہو رہا تھا اور ایک نئی تہذیب تشکیل پا رہی تھی جس کے اہم نکات ہیومنزم (HUMANISM) سیکولرازم، ٹیریلزم، لبرل ازم، کیپٹل ازم وغیرہ تھے۔ اس تحریک کی بنیاد میں عقل وحس اور الحاد اہم کردار ادا کر رہے تھے جس کے نتیجے میں چرچ اور پادری کی اہمیت کمزور ہوتی چلی گئی۔ جس کا لازمی اثر تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ یورپ میں مسلمانوں اور اسلام کے خلاف تعصب اور دشمنی کے جذبات مدھم پڑ جاتے ...... لیکن المیہ یہ ہوا کہ مغرب میں اسلام کو سولہویں صدی سے قبل کی مسیحی پاپائیت پر قیاس کرتے ہوئے انسانی ترقی کے خلاف سمجھا گیا اور چونکہ یورپ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگوں نے ایک وراثت (LEGACY) چھوڑی تھی۔ بدقسمتی سے وہ مغرب کی نئی الحادی تہذیب میں پہلے سے بڑھ کر شامل ہوگئی۔ مغربی الحاد، صلیبی روح کی جدید یہودیت نے ہائی جیک کر کے اپنے مقاصد کے لئے ایسی حکمت کے ساتھ استعمال کیا کہ دامن پر کوئی داغ نہ خنجر پہ کوئی چھینٹ ...... اس سہ آتشہ اتحاد نے روبہ زوال مسلمانوں کو آپس میں بھی لڑایا اور اہم کامیابی اس طرح حاصل کی کہ عربوں کو ترکوں کے خلاف لڑا کر مسلمانوں کا وہ ادارہ یعنی خلافت جو اپنی ساری کمزوریوں اور کوتاہیوں کے باوجود اُمت مسلمہ کے اتحاد اور تحفظ کا مظہر تھا اور صدیوں سے کسی نہ کسی صورت میں قائم چلا آ رہا تھا بہت بری طرح اختتام پذیر ہوا۔

خلافت کے خاتمے نے مسلمانوں کو ایسا کمزور کر دیا کہ امت مسلمہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر یورپی ممالک میں ریوڑیوں کی طرح بٹ گئی۔ یہی وہ دور ہے جس میں

عظیم عالمی اور تاریخی المیہ رونما ہوا۔ برطانیہ نے سپر پاور کی حیثیت سے دنیا بھر سے اثر رسوخ اور مال و دولت رکھنے والے یہودیوں کو فلسطین لا کر بسایا اور اپنی آشیر باد کی چھتری کے نیچے اقوام متحدہ سے باقاعدہ قرارداد کے ذریعے اسرائیل کو دنیا سے تسلیم کرایا۔ پہلی جنگ عظیم سے لے کر 1950ء تک خلافت عثمانی کے انہدام کے بعد مسلمان علاقوں اور ملکوں کو خوب رگیدا خوب لوٹا لیکن بقول اقبال: ''حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی'' اہل مغرب نے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے ذہنی غلام رکھنے کے لئے ان کے سیاسی، قانونی، تعلیمی، عدالتی اور معاشرتی اداروں کو منہدم کر کے ان کی جگہ فکر و تہذیب کے حامل ادارے نئے انداز سے تشکیل دیے۔ لیکن اس کے باوجود اسلام کی متحرک زندہ اور غلامی سے بیزار قوت نے مسلمانوں میں حصولِ آزادی کے لئے مختلف خطوں میں پر امن اور بعض مقامات پر مسلح مزاحمت کی جس میں علماء اور دینی عناصر نے ایک اہم کردار ادا کیا۔ اللہ کی شان دیکھئے کہ دوسری جنگ عظیم میں اہل مغرب آپس میں اس زور سے لڑے کہ وہ اتنے کمزور ہوئے کہ انہیں مسلمان علاقوں اور ملکوں کو بامر مجبوری آزادی دینا پڑی۔

اسلامی ملکوں میں آزادی کے بعد مسلمانوں نے کوشش کی کہ آزادی کے شایان شان انتظامات کر کے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں لیکن یہاں یورپی استعمار امن کا چولا پہن کر اسلامی ملکوں کے اداروں کو سہارا دینے کے لئے آگے بڑھا جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان ممالک آزادی کے بعد ان کے قابو میں رہیں، اس کے بعد انہوں نے بڑی دور رس پالیسیاں وضع کیں اور انہی پالیسیوں کے تحت انہوں نے مسلمان ملکوں میں اپنی ہر لحاظ سے کوشش کر کے اقتدار بالآخر ان لوگوں کو منتقل کیا جن پر ان کے فکر و تہذیب کے گہرے اثرات تھے۔

سول اور ملٹری بیوروکریسی میں اس طبقے کی سرپرستی اور اعانت کی جن کے ساتھ دور غلامی میں ان کے روابط استوار ہو چکے تھے۔ مسلمان ملکوں میں جمہوریت کے نام پر ایسے سیاسی نظام کو رائج کرنے کی منصوبہ بندی کی جو ان کے مقاصد کی تکمیل میں تو کام آئے لیکن کسی طور بھی اسلامی سیاسی نظام کو آگے بڑھنے کا موقع نہ ملے۔ اگر کہیں اسی مغربی جمہوری نظام کے تحت بھی اسلام کا سیاسی نظام پیدا ہونے کے امکانات پائے جائیں تو جمہوریت پر آمریت کو مسلط کرنے سے بھی گریز نہ کیا جائے۔

جادو سیکھئے

اُمّ آمنہ

(بشکریہ ماہنامہ پیام آگہی، فیصل آباد، جنوری 2016ء)

وہ میاں بیوی کسی دوسرے شہر سے وہاں آ کر آباد ہوئے۔ کچھ ہی عرصہ کے دوران محلے بھر میں خاتون اور ان کے شوہر میں بے مثال ہم آہنگی اور بہترین ازدواجی تعلقات کی دھوم مچ گئی لوگ حیران ہوتے کہ ان میاں بیوی کی شادی کو پچیس تیس سال ہو چکے ہیں لیکن ابھی تک یہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور ان کی باہمی محبت دیدنی ہے۔ محلے کی چند عورتیں ایک بار اکٹھی ہو کر خاتون کے پاس گئیں اور ان کی شاندار ازدواجی زندگی کا راز پوچھا تو خاتون مسکرا کر بولی ''آپ لوگوں کے خیال میں اس مثالی محبت کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ عورتوں نے جواب دیا۔''میاں بیوی میں بہت اچھا تعلق اور باہمی محبت کا سبب چار باتیں ہوتی ہیں۔ مثلاً بیوی بہت اچھے کھانے پکاتی ہو اور یوں معدے کے راستے خاوند کے دل میں گھر کر لے۔ وہ خوبصورت ہو اور خاونداس کی جسمانی خوبصورتی کا اسیر ہو جائے۔ اس کا نسب اعلیٰ ہو اور خاندانی وجاہت کی وجہ سے مرد اس کا احترام کرنے پر مجبور ہو۔ اولاد سعادت مند ہو، جس کی وجہ سے خاوند خوش ہو اور اولاد کی تربیت پر اپنی بیوی کا ممنون ہو جائے۔ سب سے آخری وجہ وہ ٹوٹکا یا جادو ہو سکتا ہے جس کی وجہ سے بیوی مرد کو ہاتھ تلے رکھنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

یہ جواب سن کر وہ خاتون مسکرائی اور ان کی تصحیح کرتے ہوئے بولی۔''کھانا بہت اہم ہے اور اس کے ذریعے خاوند کو خوش رکھا جا سکتا ہے، لیکن کھانے میں اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے اور کبھی

ایسا بھی ہوتا ہے کہ کھانا باعث نزاع بن جاتا ہے۔ جسمانی خوبصورتی کی ایک معیاد ہوتی ہے، وقت کے ساتھ یہ ڈھل جاتی ہے اپنی خوبصورتی کو کسی حد تک عمر کے ساتھ ساتھ برقرار بھی رکھا جا سکتا ہے لیکن بیماریاں بھی انسان کے تعاقب میں ہوتی ہیں معمولی سی غفلت کسی سنگین بیماری تک پہنچا دیتی ہے اور آخر جسمانی حسن کا سحر ٹوٹ جاتا ہے۔ اعلیٰ نسب یا خاندانی وجاہت سے مرد جلد اکتا جاتا ہے اور پھر یہ کارڈ بھی بے اثر ہو جاتا ہے۔ سعادت منداولاد مرد کا فخر ہے لیکن یہ یادرکھیں کہ اولاد کی اچھائیاں باپ کے کھاتے میں جاتی ہیں اور برائیاں ماں کے۔ ظاہر ہے باپ کی نظر سے اولاد کی خامیاں اوجھل نہیں رہ سکتیں کوئی نہ کوئی خامی نظر آ ہی جاتی ہے اور لڑائی کو پھر کوئی نہیں روک سکتا۔ ہاں آخری بات مفید ہوسکتی ہے کہ مرد کو ٹوٹکے یا جادو کے ذریعے قابو کیا جاسکتا ہے۔

جادو والی بات سن کر فطری طور پر خواتین کی رگ تجسّس پھڑکی انہوں نے جادو کی تفصیل پوچھنی چاہی کہ کوئی تعویذ ہے یا دم کی ہوئی چینی یا پھر کچھ اور؟ اس پر عقل مند خاتون نے اپنی کامیاب زندگی کا نچوڑ بتاتے ہوئے کہا کہ نہیں ایسا کچھ نہیں، جادو کے تین جملے ہیں اور دو بنیادی اصول۔ جادو کے جملے ہیں ''جی اچھا، بہت بہتر، آئندہ ایسا نہیں ہوگا''۔ جبکہ دو بنیادی اصول یہ ہیں ''اپنی غلطی کا کبھی دفاع نہ کرنا اور تنقید کو مثبت لیتے ہوئے اسے انا کا مسئلہ نہ بنانا''۔ پھر اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ جب میری شادی ہوئی تو شروع میں بڑی پریشانی ہوئی خاوند ایک سرکش اور اڑیل گھوڑے کی مانند تھا جو بات بات پر بدک جائے۔ انہیں غصہ جلدی آجاتا اور پھر جب بحث کی جاتی تو یہ انتہا پر پہنچ جاتا۔ ادھر میں بھی گھر کی لاڈلی تھی تھوڑی سی تنقید مجھے مضطرب اور پریشان کر دیتی، غلطی ہو جانے کے بعد تسلیم نہ کرتی، بلکہ الزام دوسروں پر دھر دیتی۔ میری انا مجھے منفی رخ پر لے جارہی تھی قریب تھا کہ ہماری شادی ختم ہو جاتی مگر ایک روز میری ایک پختہ عمر کی عزیزہ ملنے آئیں ایک دو دن رہیں تو انہیں سب چیزوں کا اندازہ ہو گیا۔ انہوں نے مجھے جادو کے ان تین جملوں اور دو اصولوں سے روشناس کرایا اور سمجھایا کہ انہیں اپنی زندگی کا وطیرہ بنالوں۔ میں نے ایسا ہی کیا اور اس کے بعد سے زندگی ہی بدل گئی۔ میں نے خاوند سے بحث میں الجھنا چھوڑ دیا، جب اپنی غلطی ہوتی تو فوراً تسلیم کر لیتی اور پھر اسے دوبارہ نہ دہرانے کا عہد کر لیتی جب غلطی میری نہ ہوتی تب بھی خاموش ہو جاتی۔ خاوند آگ بگولا ہوتا تو اسے جادو کے تین جملوں

سے ٹھنڈا کر لیتی ''جی اچھا، بہت بہتر، آئندہ ایسا نہیں ہوگا''۔ چیزوں کو انا کا مسئلہ بنانا چھوڑ دیا۔ آہستہ آہستہ اندازہ ہوا کہ جن باتوں کو آج ہم پہاڑ جتنا بڑا سمجھ رہے ہوتے ہیں کچھ عرصے بعد وہ چیونٹی کی طرح چھوٹی نظر آنے لگتیں۔ خاوند کے غصے کا ترکی بہ ترکی جواب نہ دینے کا یہ فائدہ ہوا کہ اس کا پارہ فوراً نیچے آجاتا اور پھر وہ اپنی غلطی کا احساس کر کے پیار بھری باتیں کرنے لگتا۔ رفتہ رفتہ اس نے غصہ کرنا ہی کم کر دیا، یوں اس جادو کی وجہ سے معاملہ سدھر گیا۔

محلے کی عورتیں جو یہ طولانی تقریر سن کر بور ہو رہی تھیں چڑ کر بولیں ''آپ کی باتیں عجیب ہیں آخر ہم اپنے خاوندوں کے ہاتھوں عزت نفس کیوں مجروح کروائیں؟ پھر ڈانٹ کے بعد میاں کی پیار بھری باتوں پر کس طرح یقین کر لیا جائے؟ سب سے بڑھ کر یہ کہ آخر عورت ہی کیوں تنقید برداشت کرے؟ تجربہ کار خاتون نے جواب دیا ''عورت گھر کی مالکہ ہے اور مرد مکان کا۔ بچے اگر باہر گلی میں گڑبڑ کریں تو محلے والوں کی ناراضی کا نشانہ مالک مکان کو بننا پڑے گا، گھر کے اندر کے مسائل پیدا کریں گے تو گھر کی مالکہ کو۔

بیوی کو ویسے بھی شوہر کا نباض ہونا چاہیے جراح نہیں۔ یہ سرجری، جراحی کا کام وقت پر چھوڑ دینا چاہیے، بیوی کو اپنے لئے محفوظ قلعہ چاہیے ہوتا ہے اور مرد کو سکون۔ خوشگوار گھریلو زندگی میں دونوں کو اپنی پسند کی چیزیں مل جاتی ہیں۔ رہی عزت نفس تو وہ انسان اپنے ہاتھوں خود مجروح کرتا ہے کوئی بھی معقول شخص بلا وجہ غصہ نہیں کرتا، اس لئے وجہ کا سبب بننے والے کو کبھی غصہ برداشت بھی کر لینا چاہیے۔ اب بچا آخری سوال کہ عورت ہی کیوں؟ جواب ہے کہ عورت نہیں بلکہ ماں یا بیوی۔ یوں سمجھ لو کہ جو ذمہ دار ہوگا وہ برداشت کرے گا۔ سب سے بڑھ کر اپنے اندر تحمل، برداشت اور انڈرسٹینڈنگ لا کر بہت سے بڑے بڑے مسائل کو جنم لینے سے روکا جا سکتا ہے۔ آخری تجزیے میں گھر اور زندگی کا سکون اہمیت رکھتا ہے۔ ٹکراؤ، مقابلہ بازی اور انا کی تسکین وقتی آسودگی تو دے سکتی ہے مگر جو کانٹے اس کے نتیجے میں پیدا ہوں گے وہ ہر حال میں ہمیں ہی چننے پڑیں گے۔

میاں بیوی کے مابین ہم آہنگی گھر کو جنت نظیر بنا دیتی ہے

لبرل پاکستان؟

رضی الدین سیّد

وزیراعظم نواز شریف نے گزشتہ سال لبرل پاکستان کا اچانک نعرہ کیا لگایا کہ ملک بھر کے دانشوروں کو گویا پر ہی لگ گئے۔ اسی لیے اس موضوع کا چلن ان دنوں بہت عام ہوا ہے۔ ''پاکستان کو مذہبی کے بجائے ایک لبرل ملک میں تبدیل کر دیا جائے''۔

میاں صاحب نے بلا تدبر فرمادیا کہ وہ پاکستان کو ایک لبرل ملک بنانا چاہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ ملک کو کیوں لبرل بنانا چاہتے ہیں؟ کیوں نہ اسے ایک اسلامی ملک بنا کے دکھائیں؟ کیا یہ ملک کبھی اسلامی بنا کر دکھایا بھی گیا تھا جواب اس کی ناکامی کا ہوا پیٹا جائے؟ یعنی ''نہیں بس بہت ہو چکا، اب ہم پاکستان کو ایک لبرل ملک کی شکل میں ڈھالیں گے''۔ وعدہ تو لاکھوں لوگوں اور ان کے قائدین نے یہ خطہ ارضی حاصل کرتے وقت اللہ پاک سے ''لَا اِلٰـہ اِلاَّ اللّٰہ'' ہی کا کیا تھا۔ زور و شور سے نعرے تو ہر خاص و عام نے بہ بانگِ دہل ''پاکستان کا مطلب کیا؟ ''لَا اِلٰہ اِلاَّ اللّٰہ'' ہی کے لگائے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ وہاں جا کر ہم اپنے دینِ اسلام کے سنہرے اصولوں کو عام کریں گے۔ تو اب بھلا اس کے برعکس جدوجہد کیوں کی جارہی ہے؟ کیا اسلامی نظام یہاں ناکام ہو چکا ہے؟ اور کیا اسلام کبھی دنیا کے کسی بھی خطے میں ناکام بھی رہا ہے؟۔

سیکولر حضرات کے دلائل ہیں کہ ہماری سابقہ حکومتوں نے بلا وجہ ہی یہاں کچھ اسلامی قوانین وضوابط نافذ کر دیے تھے جنہیں آج تک بھگتنا پڑ رہا ہے۔ ان کے نزدیک سب سے اعلیٰ و ارفع نظام تو بس یہی ''لبرل ازم'' ہے۔ وہی جہاں نائٹ کلبوں اور مے خانوں کا راج ہوتا ہے،

جہاں راتوں کو شباب جاگتا اور جسم و جاں کی تجارت ہوتی ہے اور جہاں جام و سبو سدا راج کرتے ہیں۔ اسی باعث اب سیکولر ترین، بھٹو، بے نظیر زرداری اور آصف زرداری تک کو بھی اس معاملے میں نہیں بخشا جاتا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بلاوجہ ہی مولویوں کے دباؤ میں رہا کرتے تھے۔

دانشوروں کو یاد نہیں ہے۔ آئیں انہیں ہم یاد دلائیں کہ جو کچھ بھی مذہبی قوانین یہاں رائج ہیں اور اگر ان کا نفاذ تمام تر سیکولر حاکموں ہی کے ہاتھوں ہوا ہے تو اس کی وجہ صرف اور صرف ایک ہی رہی ہے کہ ان کے نفاذ کا مطالبہ خود ملک کے عوام کی جانب سے کیا جاتا رہا تھا۔ بصورتِ دیگر عوام اگر ان کا نفاذ نہیں چاہتے تو کوئی ایک اسلامی قانون بھی یہاں نافذ نہیں ہوسکتا تھا۔ دینی قانون کے پیچھے اصل قوتِ نافذہ عوام ہی کی رہی ہے خواہ انہیں نافذ سیکولر حکومتوں ہی نے کیا ہو! ۔ بھٹو کے خلاف لگاتار کئی ماہ تک چلنے والی زبردست عوامی تحریک، صرف اور صرف نظامِ مصطفیٰ کے مطالبے کی تھی۔ چنانچہ سیکولر بھٹو میں اگر اتنی طاقت ہوتی کہ اسے کچل کر رکھ دیتے تو یقیناً وہ ایسا ہی کچھ کرتے، جیسا کہ ابتدا میں انہوں نے ایسی کوشش کی بھی تھی۔ آخر کیوں انہوں نے جمعے کی تعطیل کا اعلان کیا تھا؟ کیوں انہوں نے شراب پر پابندی لگائی تھی؟ اور کیوں انہوں نے اسلامی نظریاتی کونسل تشکیل دی تھی؟ وہ کوئی اسلام کے شیدائی تو نہ تھے؟ بس یہی بات کہ یہ تمام مطالبے عوام کے اپنے دیرینہ تھے۔ اس وقت اگر ایاز میر صاحب جیسی آزاد خیال شخصیت بھی یہاں صدرِ پاکستان ہوتی تو اپنی تمام تر سیکولریت اور لبرلیت کے باوجود خود انہیں بھی یہی اقدامات اٹھانے پر مجبور ہونا پڑتا۔

یہی حال محترم جنرل ضیاء الحق کا تھا۔ وہ ایک طویل و بھرپور نظامِ مصطفیٰ تحریک کے پس منظر میں جلوہ فرما ہوئے تھے۔ اس وقت پوری قوم کا متفقہ مطالبہ ایک ہی تھا کہ مملکت کے طول و عرض میں نظامِ مصطفیٰ کا نفاذ ہو۔ چنانچہ صدر صاحب کی تب یہ قومی مجبوری بن چکی تھی۔ بلاسودی بینکاری بلاشبہ ان کے دور کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ بے شک یہ بینکاری آج پوری دنیا میں رائج ہے اور تمام دنیا اسے قبول کرنے پر تیار بیٹھی ہے۔ اگر اس اسلامی بینکاری میں کوئی سقم ہوتا تو دنیا کی جانب سے یہ کبھی کی مسترد ہو چکی ہوتی۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ اسلامی نظام میں ’’خوبیاں‘‘ پائی جاتی ہیں۔ حدود آرڈی نینس، زکوٰۃ آرڈی نینس اور توہینِ رسالت آرڈی نینس بھی مرحوم نے

عوامی دباؤ کے تحت ہی جاری کیے تھے اور ان کے نفاذ کے بعد پھر کبھی اس قسم کا کوئی عوامی مطالبہ یا مظاہرہ سامنے نہیں آیا تھا کہ سزائیں ظالمانہ ہیں اور جنگل کے دور کی یاد دلاتی ہیں۔ اس لیے انہیں کالعدم قرار دیا جائے۔ اگر کبھی شرم وحیا سے عاری چند مٹھی بھر خواتین نے ان قوانین کے خلاف مظاہرہ کیا بھی تھا، تب بھی قوم نے انہیں خوش آمدید نہیں کہا تھا اور نہ کبھی انہیں سر آنکھوں پر بٹھایا تھا۔ چنانچہ خواتین کا یہ ننھا منا ٹولہ تب اپنا سا منہ لے کر خاموش ہو کر گھر بیٹھ گیا تھا اور ضیاء الحق کے دس سالہ دور میں پھر وہ کبھی سڑکوں پر دوبارہ نظر بھی نہیں آیا۔

قراردادِ پاکستان بھی آئین کا لازمی حصہ آج اسی لیے ہے کہ قوم نے اس کے لیے ایک طویل قومی جدوجہد کی تھی۔ یونہی بلاوجہ اس قرارداد کو آئین میں شامل نہیں کیا گیا تھا۔ آج کس کو یاد ہے کہ لیاقت علی خان مرحوم کے زمانے میں اس مطالبے کے حق میں پارلیمنٹ میں بوری بھر بھر کے کاغذات آ رہے تھے اور حکومت مجبور ہو گئی تھی کہ اسے آئین پاکستان کا دیباچہ بنا دیا جائے۔ بعد ازاں ضیاء الحق مرحوم کے دور میں اسے آئین کا اندرونی حصہ بھی تسلیم کر لیا گیا تھا۔ ان اہم اقدامات پر دونوں شخصیات کو عوامی دباؤ ہی نے مجبور کیا تھا۔

اگر یہ دانشور آج کی مذہبی دہشت گردی کا نام لے لے کر لوگوں کو مذہب سے ڈرا رہے ہیں تو انہیں معلوم رہنا چاہیے کہ مذہب کا منفی استعمال ہماری سیکولر حکومتوں ہی نے اپنے اپنے مفادات، بلکہ اپنے اپنے عرصۂ اقتدار کے طول وعرض کی خاطر کیا تھا اور وہ اب بھی یہ کام بار بار کر رہی ہیں۔ پارلیمنٹ میں جیسے وہ ہر بکاؤ رکن کی بولی لگاتی ہیں، اسی طرح مذہبی شدت پسندی کو بھی وہ اپنے مفادات کے تحت ہی گلے لگاتی ہیں۔ حالانکہ اگر لوگوں کو سدا ان کے حقوق ملتے رہتے، امریکہ کی فرمانروائی کو وطن سے دور رکھا جاتا، ملک کی منزل خوشحالی متعین کی جاتی، عوام کے عزت و ناموس کا تحفظ کیا جاتا، غربت کے خاتمے کے لیے عملی اقدامات کیے جاتے، عدل و انصاف کا خون نہ بہایا جاتا، چھوٹے صوبوں کو ان کے مساوی حقوق دیے جاتے، غداروں اور باغیوں سے چھچھا مارنے کی بجائے انہیں ملک دشمنی کے تحت قرار واقعی سزائیں دلوائی جاتیں اور نیکی و شرافت کا چلن عام کیا جاتا، تو پھر ملک، کون سی دہشت گردی کو اپنے سامنے پاتا؟ کون لوگ ہوتے جو تب بھی بغاوتوں پر آمادہ ہوتے؟ اور کون ہوتا جو تب بھی

دشمنوں کا ایجنٹ بننے کی باتیں کرتا؟

پس ثابت ہوا کہ اصل مسئلہ اسلام نہیں ہے۔ اصل مسئلہ وہ احمقانہ، ظالمانہ، غلامانہ، فدویانہ، تمسخرانہ اور غیر دستورانہ فیصلے رہے ہیں جنھوں نے ملک کو کبھی دولخت کیا تھا اور اب بھی جن کے باعث یہ وطن مسلسل دہشت گردی کے فروغ کا سبب بن رہا ہے۔ سو، آج بھی اگر وطن میں بہت کچھ غلط ہو رہا ہے تو اس کا علاج غلط دواؤں کی بجائے درست اور اصل دواؤں ہی سے کیا جانا چاہیے۔ نہ یہ کہ اس کی تمام تر تان بس اسلام ہی پر لا کے توڑی جائے!۔ اگر ایسا کیا گیا تو حال تک کے تمام قومی احمقانہ فیصلوں میں یہ ایک اور بڑا احمقانہ فیصلہ کہلائے گا۔

اس دیس کی بقا کل بھی اسلام ہی تھا اور اس کی بقا آج بھی اسلام ہی میں مضمر ہے۔ اے صاحبانِ فکر و دانش۔ ''ملت کا یہ فیصلہ ہے روزِ ازل سے!''۔ سو تم اس فیصلے سے انکار نہیں کیا کرو۔ تم قوم کی آواز پر دھیان دیا کرو! تم اسے گمراہ نہ کیا کرو!

روہنگیا مسلمان اور الحاقِ پاکستان

سیّد شہاب الدین شاہ

(بشکریہ: ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان، جنوری 16ء)

یہ مثال پوری دنیا میں شاید ہی کہیں مل سکے کہ محض مذہب کے نام پر کسی خطے یا ملک کی بنیاد رکھی جائے ماسوائے وطنِ عزیز پاکستان کے جس کے قیام کا مقصد صرف اور صرف اسلام کے سنہری اصولوں کو قانونی اور قومی دھارے میں شامل کر کے مملکت خداداد کی اصل روح کو زندہ رکھنا تھا۔ الحمدللہ ہمارے آپ کے بزرگوں کو بے لوث اور انتھک محنتوں اور بے شمار قربانیوں کی وجہ سے آج مکمل آزادی کے ساتھ پاکستان میں اسلامی عبادات اور قانونی معاملات خوش اسلوبی سے طے پائے جا رہے ہیں۔ یہ بات شاید کم لوگ ہی جانتے ہوں گے کہ جب تحریک پاکستان اپنے نقطۂ عروج کو چھوڑ رہی تھی اور یہ امکان واضح ہو گیا تھا کہ وہ وقت دور نہیں جب آزاد اسلامی مملکت کا قیام ہو کر رہے گا۔ ایسے میں دیگر ریاستوں کے ساتھ ساتھ ایک ریاست ارکان (جو کہ اب برما کا ایک صوبہ ہے) مسلم اکثریتی آبادی پر مشتمل تھی۔ جہاں کے عمائدین نے یہ کوشش شروع کی کہ کس طرح پاکستان کے ساتھ الحاق ہو جائے لیکن شومیٔ قسمت سے بعض نادیدہ قوتوں نے یہ مبارک کوشش بار آور ثابت نہ ہونے دی۔ چنانچہ برما کے بدھسٹ تمام تر ریاستی اور جغرافیائی قدروں کو پامال کرتے ہوئے آزاد ریاست ارکان پر چڑھ دوڑے۔ پھر چشم فلک نے وہ نظارہ بھی دیکھا کہ اپنے دیس کے باسی اپنے ہی دیس میں بیگانے بنا دیے گئے۔ اسلامی تعلیمات سے کر سماجی اور کاروباری زندگیوں میں کفر و الحاد کا زہر گھول دیا گیا۔ جس میں مزید شدت 1962ء میں

برما پر مارشل لاء کے نفاذ کی صورت میں پیدا ہوئی، مسلمان بچیوں کی آبروریزی، نوجوانوں کو چن چن کر مارنے کا نہ ختم ہونے والا ہولناک سلسلہ شروع ہوا۔ بربریت کی یہ لہر گزشتہ کئی دہائیوں سے مسلسل جاری ہے۔ اس وقت بنگلہ دیش پاکستان کا حصہ تھا اور مسندِ صدارت پر جنرل محمد ایوب متمکن تھے۔ انہیں جب روہنگیا مسلمانوں پر بے انتہا ظلم و تشدد کی اطلاعات ملیں تو انہوں نے جرأت مندانہ اور واشگاف لفظوں میں برما کی بدھسٹ حکومت کو خبردار کرتے ہوئے کہا کہ 'کیا میں اپنی فوج کو حکم دے دوں کہ وہ رنگوں میں پہنچ کر قابض ہو جائے'۔

لہٰذا روہنگیا مسلمانوں پر جاری تشدد کی لہر صدر محمد ایوب کے دورِ حکومت میں کسی قدر تھمی رہی لیکن ایک تو صدر ایوب کی معزولی اور دوسرا سقوط ڈھاکہ کا المناک حادثہ رونما ہو گیا جو دیگر مسلمانانِ پاکستان کے لئے کڑی آزمائش کا باعث بنا وہاں ارکان کے روہنگیا مسلمانوں کے لئے ہولناکیوں کا پیامبر ثابت ہوا۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد اپنے دورِ حکومت میں جنرل محمد ضیاء الحق نے بھی حکومتِ برما کو متنبہ کیا۔ بعدازاں وقت نے مزید انگڑائیاں لیں اور پیپلز پارٹی کے آصف علی زرداری کرسی صدارت پر جلوہ گر ہوئے جنھوں نے او آئی سی کے ایک اہم اجلاس کے موقع پر روہنگیا مسلمانوں پر ہونے والے مظالم پر مؤثر آواز اٹھائی جسے خاص اہمیت اور پذیرائی بھی ملی اس موقع پر پاکستانی میڈیا بھی لائق تحسین ہے جنھوں نے بہت دیر سے ہی سہی لیکن مذکورہ مظالم کو پوری دنیا کے سامنے بھرپور انداز میں واضح کیا۔

الحمد للہ فضا بدلی، سوچیں نئے رخ کی طرف مائل ہوئیں اور ملتِ اسلامیہ کے مسلمانوں میں بیداری کی لہر نے اپنے اثرات مرتب کیے اور روہنگیا مسلمانوں کی حالت زار پر پاکستان بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں میں بے چینی پھیل گئی اور سراپا احتجاج بن کر سڑکوں پر نکل آئے، ترکی اور سعودیہ کی حکومتوں نے نہ صرف بین الاقوامی سطح پر آواز اٹھائی بلکہ امدادی مہم کو بھی فعال کیا اور خاطر خواہ صورت میں مدد کے لئے عملاً اقدامات کیے۔ بلاتفریق پاکستانیوں کے تمام سیاست دان حضرات نے دوٹوک الفاظ میں پریس کانفرنسز اور احتجاج کے ذریعے شدید مذمتی بیانات دیے حتیٰ کہ قومی اسمبلی سینٹ اور تمام صوبائی اسمبلیوں میں متفقہ قرار دادیں ہوئیں۔ پاکستان مسلم لیگ (ن)، پاکستان پیپلز پارٹی، پاکستان تحریک انصاف، جمعیت علماء اسلام اور دیگر

سیاسی جماعتوں کے قائدین کی بھرپور مذمت سے پورا میڈیا، پورا پاکستان گونج اٹھا۔ ایسے میں ارضِ پاک کے مقتدر علماء کرام و مشائخ عظام نے بھی اپنی بھرپور نمائندگی سے نوازا۔ وفاق المدارس وتنظیمات المدارس، رابطۃ المدارس الاسلامیہ، وفاق المدارس السّلفیہ و جمعیت اشاعت التوحید والسنّت اور دیگر مذہبی وسیاسی جماعتوں نے برما کے روہنگیا مسلمانوں پر جاری ظالمانہ تشدد کی لہر پر پرزور مذمت کی اور ملکی سطح پر احتجاجی مظاہروں سے میڈیا کی وساطت سے پوری دنیا کو باور کروایا کہ روہنگیا مسلمان اس وقت کرۂ ارض کی مظلوم ترین اور لاچار قوم ہے جن پر جاری بربریت کو ختم کروانے میں عالمی برادری مؤثر کردار ادا کرے۔ لہٰذا اس صدا کی گونج متعدد ممالک کے ایوانوں تک پہنچ گئی جس کا وقتی طور پر تو ردعمل ہوا لیکن بعد ازاں اس میں سُستی دیکھنے کو ملی شاید یہی وجہ ہے کہ برما کے بدھسٹ عوام اور بھکشو بدمست ہاتھی کی طرح دندناتے نظر آرہے ہیں۔

قارئین محترم! آزاد اور پرامن زندگی کے تصور سے کوسوں دور روہنگیا مسلمانوں کے لئے اب ایک سوچی سمجھی اور منظّم سازش کے تحت صوبہ ارکان کے جنگلی اور پہاڑی علاقوں میں حکومتی نگرانی میں مہاجر بستیاں آباد کی جارہی ہیں۔ یوں روہنگیا مسلمان اپنے دیس میں رہتے ہوئے مہاجرانہ زندگی اپنانے پر مجبور ہو گئے ہیں، جن کی جائیدادیں، آباء واجداد صدیوں سے ارکان میں رہے۔ ظالموں کے مظالم ہیں کہ بڑھتے جارہے ہیں۔ ایک طرف جائیدادوں سے محرومی تو دوسری طرف اپنے ملک میں رہنے کے باوجود غیر ملکی قرار دیے جارہے ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ برما کے حالیہ الیکشن میں بھی ارکان کے روہنگیا مسلمان اجنبی بنا دیے گئے انہیں ووٹ کاسٹ کرنے کے بنیادی اختیار سے محروم کر دیا گیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں قومی میڈیا اور انسانی حقوق کی تنظیمیں آج منہ میں دہی جمائے محوِ تماشہ نظر آرہی ہیں۔

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر مسلمان اپنے طور پر مظلوم روہنگیا مسلمانوں کی مدد و اعانت میں آگے آئے۔ گویہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ اسلامی ممالک کے کچھ مسلم حکمران بے حمیتی اور خودغرضی کی غلاظت کو فخر کا مقام سمجھے اپنے حال میں مست نظر آرہے ہیں۔ مقام تشکر ہے کہ اب بھی اصحابِ خیر حضرات کی کمی نہیں ہے جن کے دلوں کی دھڑکنیں، جن کے جذبات اپنے روہنگیا مسلمان بھائیوں کی تکالیف اور مصائب پر تڑپتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر علماء کرام اور

مشائخ عظام نے روہنگیا مسلمانوں کی زبوں حالی کے پیشِ نظر رفاہی اور فلاحی امداد پہنچانے کے لیے اور اسلامی تعلیمات کو مہاجر بچوں میں عام کرنے کے لئے ایسے حالات میں اقدامات کے حوالے سے باقاعدہ ٹرسٹ کی بنیاد رکھنے کے لئے ارادہ فرمایا کہ مختلف عیسائی این جی اوز کی منظّم اور مذموم کارستانیوں کا کچھ مداوا ہو سکے۔ چنانچہ اللہ پاک کے فضل وکرم اور بزرگانِ دین کی مخلصانہ کوششوں سے کم وبیش 29 سال قبل ''خالد بن ولید ٹرسٹ'' کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس کی امارت استاذ العلماء حضرت مولانا محمد سلیم اللہ خان مدظلہٗ کے شاگرد رشید مولانا عبدالقدوس برمی کو سونپی گئی جو تا حال اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ مصروفِ عمل ہیں۔ لہٰذا ان کے ساتھ رابطہ کرنے والے حضرات مندرجہ ذیل فون نمبروں پر بات کر سکتے ہیں۔

0320-8236500, 0336-1258654, 0321-2268094

ہم کون ہیں؟ کیا ہیں؟ بخدا یاد نہیں
اپنے اسلاف کی کوئی بھی ادا یاد نہیں

گزشتہ عید الفطر مبارک ہو!

ابو فیصل محمد منظور انور

احکاماتِ خداوندی سے روگردانی اور قرآنی تعلیمات کی مسلسل خلاف ورزیوں کے باعث اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں سے ناراض ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم پوری دنیا میں ذلیل وخوار ہورہے ہیں۔مشرق وسطیٰ میں شام،عراق،فلسطین،بحرین،یمن،مصراور افغانستان،لیبیا،تیونس، کشمیر روہنگیا میں برسوں سے جاری خانہ جنگی کے باعث مسلم دنیا کے باسی بے خانماں بے یارو مددگار لاکھوں کی تعداد میں عورتیں بچے بوڑھے مسلمان یورپ اور دیگر ممالک کی طرف ہجرت کررہے ہیں وہ اپنے ہی مسلم ممالک کے بادشاہوں کی اقتدار کی باہمی رسہ کشی پر نوحہ کناں ہیں جن کی ہوسِ اقتدار کی وجہ سے وہ اپنے گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوئے ہیں اور دیارِ غیر میں پناہ کے لئے دربدر پھر رہے ہیں۔اپنے گریبان میں جھانکیں تو صاف پتہ چلتا ہے کہ مسلم دنیا میں احکام خداوندی کی صریحاً خلاف ورزی، خدا بیزار قوتوں اور غیر مسلم اور گمراہ قوموں جیسی شرک سے آراستہ گناہ آلودہ زندگیاں گزارنا اب معمول بن چکا ہے۔دنیا بھر کے مسلم ممالک میں کونسا اسلامی ملک ہے جہاں اسلامی نظام نافذ ہے اور تمام فیصلے اس قادر مطلق سبحانہ وتعالیٰ کی آخری کتاب قرآن مجید فرقان حمید کے مطابق ہورہے ہیں۔ظلم کی انتہا یہ ہے کہ اسلام کے نام پر حاصل کی جانے والی مملکت خداداد پاکستان میں بھی اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے احکام خداوندی کی خلاف ورزی بڑی ڈھٹائی،کمینگی اور دیدہ دلیری کے ساتھ کررہے ہیں یہاں تک کہ چند ٹکوں کے

عوض گدھے، خنزیر اور کتے سمیت دیگر حرام و مردار جانوروں کے گوشت فروخت کیے جانے کے قصے زبان زد خاص و عام ہیں۔ کھانے پینے کی اشیاء میں ملاوٹ، کم تولنے، جعلی ادویات کی تیاری اور فروخت، چوریاں، ڈکیتیاں کرنے اور کمسن بچیوں اور حوا کی معصوم بیٹیوں کو بے آبرو کرنے والے ظالم بھی مسلمان ہی تو کہلاتے ہیں۔ جس مسلم معاشرے میں میراثی اور کنجر قسم کے لوگوں اور ناچنے گانے والی طوائفوں کو فلمی ستارے (STAR)، رول ماڈل اور آئیڈل بنا کر پیش کیا جاتا ہو اربوں کھربوں کی لوٹ مار کرنے والی اشرافیہ سمیت انھیں وی آئی پی کا درجہ دے کر پروٹوکول دیا جاتا ہو، ملاحظہ کے لئے زرداروں کی لوٹ مار، پانامہ پیپرز سکینڈل اور لاکھوں ڈالرز کرنسی سمگلنگ میں ملوث ماڈل ایان علی کے خلاف درج مقدمے اور عدالتی ٹرائل کا ڈرامہ سب کے سامنے ہے جس پر تو ماتم ہی کیا جاسکتا ہے۔ جس مسلم سوسائٹی میں نوجوان نسل میں انٹرنیٹ، میڈیا، کیبل مافیا کے ذریعے عریانی، فحاشی اور بے حیائی بڑی سرعت کے ساتھ پھیلائی جارہی ہو، اسے کونسا مسلم معاشرہ کہیں گے، یقین نہ آئے تو پاکستانی چینلز پر صرف کمرشل اشتہار ہی دیکھ لیں تو صاف پتہ چلتا ہے کہ ہم کس قسم کے اسلامی اخلاقی اقدار کے حامل ہیں اور ان پر کتنے عمل پیرا ہیں۔ ماہ مقدس رمضان المبارک میں بھی معاشرے میں بڑھتی ہوئی برائی بے حیائی اور عریانی و فحاشی پر مذہبی طبقہ بھی خاموش تماشائی بنا بیٹھا رہا ایسے بدکرداروں کے خلاف آواز بلند کرنے اور اس کے خلاف احتجاج کی آواز سننے میں نہ آئے تو ایسے مسلم معاشرے پر ''انا للّٰہ وانا الیہ راجعون'' ہی پڑھا جائے۔ ایسے شرمناک کام کرنے والے کتنے فی صد مسلمان ہیں؟ غور فرمائیں تو اکثریت میں یہی ہوں گے یہ کس منہ سے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں؟ یہی مسلمان اشرف المخلوقات کے اعلیٰ درجے پر فائز مخلوق ہیں۔ کیا رسول نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے ہمیں ایسی ہی زندگیاں گزارنے کا درس دیا تھا؟ شرم تم کو مگر نہیں آتی!

وضع میں تم ہو نصاریٰ ، تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود!

امت مسلمہ کی حالت زار دنیا بھر میں ذِلت و رسوائی کی موجودہ صورت حال میں خانہ جنگی کا شکار اور جنگ زدہ مسلم علاقوں کے لاکھوں کی تعداد میں مہاجرین، اپنے گھروں سے جبری بے دخل

کیے جانے والے، ایک وقت کی روٹی کے لئے ترسنے والے بے گھر ان افراد کو سامنے رکھیں تو کیسی عید اور کیسی خوشیاں ایک طرف بھوکے پیاسے بے خانماں در بدر ہونے والے لاکھوں بچے بوڑھے عورتیں اور دوسری طرف لاکھوں کی عید خریداری کرنے والی اشرافیہ اور دیگر دولت مند لوگ جو اپنی عیدیں تفریحی مقامات پر یا پھر یورپ میں گزارتے ہیں۔ یہ سلسلہ کئی سالوں سے اسی طرح جاری ہے

طبع آزاد پہ قید رمضاں بھاری ہے
تم ہی کہہ دو یہی آئین وفاداری ہے

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں عام حالات کے مقابلے میں رمضان المبارک کا آغاز ہوتے ہی اشیائے خورد و نوش اور دیگر اشیائے صرف کی قیمتیں انتہائی حد تک بڑھا دی جاتی ہیں امسال بھی حسب سابق اس مقدس مہینے و عید الفطر ایسے اسلامی تہوار کماؤ سیزن بنا دئے گئے۔ عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے جانے والوں کو بھی نہ صرف حکومت نے بلکہ تاجروں نے کمائی کا مہینہ بنا لیا ہے ہوائی جہازوں کے ٹکٹ مہنگے اور غیر اعلانیہ غیر ضروری اضافی ٹیکس وصول کیے جاتے ہیں۔ جبکہ تاجر اور دکاندار حضرات کو لوٹ مار کی کھلی چھٹی مل جاتی ہے۔ بسوں کے مالکان ٹرانسپورٹرز مسافروں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ٹھونس کر اوورلوڈنگ کرتے ہیں اور دوگنے کرائے وصول کرتے ہیں۔ اللہ کی پناہ! یہ کیسے مسلمان ہیں جو ناجائز منافع خوری کر کے، دوسروں کی جیبیں کاٹ کر اور انھیں اذیتیں دے کر ان پر ظلم کر کے خوش ہوتے ہیں۔ ماہ رمضان المبارک سے پہلے کی نسبت اشیائے صرف کی قیمتیں اتنی زیادہ کہ سننے والا غش کھا کر گر پڑے۔ مضرِ صحت اور ناقص گوشت کی قیمتیں آسمان کو چھو جاتی ہیں۔ 'صفائی نصف ایمان ہے' پر یقین رکھنے والے لوگ اپنے گلی محلوں میں گندگی و آلودگی پھیلانے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ یہ روش برسوں سے جاری ہے کون سا اسلامی ملک ہے جہاں مذہبی تہواروں پر ناجائز منافع خوری نہیں ہوتی دنیا بھر کے مسلمان مذہبی تہوار عید الفطر بڑے جوش و جذبے کے ساتھ مناتے ہیں دنیا بھر میں اُمتِ مسلمہ کے بڑے بڑے اجتماعات ہوئے یہ اجتماعات نماز عید تک محدود رہے مگر اسلام دشمن طاقتوں کو ہماری اجتماعیت سے ہمارے باہمی اتفاق و اتحاد کا پیغام صحیح طور پر نہیں مل سکتا۔ اغیار کی سازشوں کے باعث ہمارے باہمی اختلافات کی خلیج اتنی وسیع اور گہری ہو چکی ہے کہ ہم اپنے ہی مسلمانوں

بھائیوں کے خون کے پیاسے بن کر ایک دوسرے کا خون بہا رہے ہیں قربِ قیامت کی علامت ہے کہ نہ مارنے والے کو پتہ کہ وہ کیوں قتل عمد کا مرتکب ہوا ہے اور نہ مرنے والے کو پتہ کہ وہ کس جرم میں مارا گیا ہے۔عید الفطر کے مبارک موقع پر اپنی پوری پوری اصلاح کا عہد کرنے کا موقع تھا کہ ہم اپنی روش کو بدلیں مگر ہم نے یہ موقع گنوا دیا ہے اب پوری امت مسلمہ کو اجتماعی توبہ و استغفار کی کثرت سے ضرورت ہے پورے عالم اسلام میں جہاں بھی اجتماعات منعقد کیے جائیں اور اپنی غلطیوں لغزشوں اور گناہوں کی معافی مانگیں اور استغفار کریں تا کہ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو درپیش مسائل اور اغیار کی غلامی سے نجات دلائے ،آمین۔

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلمان نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود اقبالؒ

لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ لِاَخِيْكَ
فَيَرْحَمُهُ اللّٰهُ وَ يَبْتَلِيْكَ

اپنے بھائی کی تکلیف پر خوشی کا اظہار نہ کر۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کردے اور تجھے اس میں مبتلا کردے۔

''ہم لفظوں کے کنجوس''

شکریہ کہنے، تعریف کرنے، حوصلہ دینے سے ڈرتے ہیں

عاصم حفیظ

آپ اپنی زندگی میں ضرور کسی نہ کسی ایسے شخص سے ملے ہوں گے جس نے بتایا ہوگا کہ کسی بڑے کے چند جملوں نے اس کی زندگی بدل دی۔ دراصل تعریف کر دینا، حوصلہ دینا معجزاتی اثر رکھتا ہے۔ کوئی بزرگ، سینئر یا کوئی بھی بڑی شخصیت اگر کسی کو تھپکی دے دے، چند جملے پیار و محبت اور کام کو سراہنے کے لئے کہہ دے تو زندگی میں انقلاب سا آجاتا ہے۔ ہمارے ہاں کا بڑا المیہ یہ بھی ہے کہ ہم ''لفظوں کے کنجوس'' ہو چکے ہیں۔ چند الفاظ تعریف کے، شکریے اور دوسروں کا حوصلہ بڑھانے والے بھی بولنا گوارا نہیں کرتے۔ کسی کو شکریہ کہہ دینا کتنا خوشگوار احساس ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ اگر کسی نے کام کیا ہے تو وہ اس کی ڈیوٹی تھی، اسے معاوضہ ملے گا۔ اسی لئے ہم شکریہ کہنا گوارا نہیں کرتے۔ پبلک ٹرانسپورٹ کا کوئی ڈرائیور، گھریلو ملازم، دکان پر آپ کی مدد کرنے والا کارکن غرض ہر روز بہت سے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے کہ جن سے کام لینے کے بعد ہم شکریہ کہنے کی زحمت نہیں کرتے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں ایسا کلچر بن چکا ہے کہ ملازمین اور دیگر خدمات سے منسلک افراد بھی اب کام کو صرف پروفیشنل انداز میں دیکھتے ہیں اور کہیں بھی اپنائیت اور دوستی واحترام کے رویے کا اظہار نہیں کرتے۔ کام تو ہو ہی جاتا ہے اور ہم چند الفاظ شکریے کے بول دیں تو شاید یہ زندگی کچھ خوشگوار ہو جائے۔ یہی رویہ تعریف کے حوالے سے ہے۔ کوئی نوجوان بھرپور محنت سے کچھ تخلیق کرے، کوئی تحریر لکھے، پوری توجہ سے اپنا کام سرانجام دے، ڈیوٹی

نبھادے اور خصوصاً بچے اپنے چھوٹے چھوٹے کاموں پر تعریف کے طلب گار ہوتے ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں کے بڑے ایسے مواقع پر لاپرواہی اور کسی حد تک بے رخی والا رویہ اپناتے ہیں۔ آپ کو کچھ لوگ یہاں تک کہتے ملیں گے کہ تعریف ''دماغ خراب'' کر دیتی ہے۔ سوشل میڈیا پر تعلیمی کامیابیوں، کوئی تحریر یا دیگر امور کے متعلق تصاویر و اطلاعات کی اشاعت پر آپ کو چند جملے ہی ملیں گے جن میں تعریف ہوگی جبکہ اکثر ایسے ہوں گے کہ جو کسی بھی قسم کا اظہار نہیں کریں گے۔ مانا کہ وقت بہت اہم ہوتا ہے کہ لیکن لفظوں کی اتنی کنجوسی بھی اچھی نہیں ہوتی۔ آپ کے چند تعریفی الفاظ کسی نوجوان کی زندگی بدل سکتے ہیں، اس میں استقامت کے جذبات پختہ کر سکتے ہیں اور اس کی زندگی میں آگے بڑھنے کی لگن بڑھا سکتے ہیں۔ لاپرواہی اور بے رخی کچھ اتنا بھی قابل تعریف رویہ نہیں ہے۔ اگر اللہ نے آپ کو کامیابیوں سے نوازا ہے تو آپ کا فرض ہے کہ شکرانِ نعمت کے طور پر ہی دوسروں کے مددگار بن جائیں۔ ان کی رہنمائی کریں، تھپکی دیں اور کسی بھی قسم کی کمی کوتاہی کے باوجود تعریف کریں اور ساتھ ساتھ اصلاح کی نصیحت بھی ضرور کریں۔ اسی طرح چند جملے وہ بھی ہوتے ہیں کہ جن میں کسی شکستہ دل، زندگی کی مشکلات سے لڑتے، کسی بڑے حادثے یا ناکامی کا شکار کسی نوجوان کا حوصلہ بڑھاتے ہیں۔ کسی شعبے میں کوئی نو وارد کئی غلطیاں ضرور کرے گا اب اگر اس کے سینئر حوصلہ دینے کی بجائے تنقید شروع کر دیں یا صرف لاتعلقی، بے رخی کے رویے کا ہی اظہار کریں تو وہ بیچارہ دل توڑ بیٹھے گا۔ مایوس ہوگا اور شاید اپنی راہ ہی بدل لے گا۔ معاشرے کے بڑوں اور زندگی کے مختلف شعبوں میں کامیاب افراد میں یہ جذبہ ضرور ہونا چاہیے کہ وہ حوصلہ دینے والے ہوں، دوسروں کو تھپکی دے کر مایوسی و ناکامی کی دلدل سے نکالیں۔ کوئی بھی معاشرہ تب ہی ترقی کرتا ہے، ہم اردگرد خوشگوار ماحول بنا سکتے ہیں اور زندگیاں خوشیوں سے بھر سکتے ہیں کہ جب ہم سب اور خصوصاً بڑے اور کامیاب لوگ لفظوں کی کنجوسی چھوڑ دیں۔ شاید آپ کسی کو دولت، رقم اور دیگر مادی اشیاء کی صورت میں کچھ بھی نہ دے سکتے ہوں لیکن شکریے، تعریف اور حوصلہ مندی کے الفاظ دینے پر تو کچھ خرچ نہیں ہوتا۔ اس سے نہ صرف معاشرے میں اپنائیت، محبت و پیار کے جذبات بڑھیں گے۔ ہم پروفیشنلزم کی بجائے عقیدت واحترام کے عادی بنیں گے بلکہ ہماری زندگیاں بھی خوشگوار ہو جائیں گی۔

Many changes in Europe took place

http://nagamworldhistoryais.blogspot.com/search?updated-max=2011-11-30T

Many changes in Europe took place as a result of the crusades. Some of the most significant were the great effects they had on intellectual development. As they returned back from the East, which at that time exceeded Europe in civilization and culture, they broadened the minds of the crusaders and liberalized their thinking. Relishing the advantages and experience they're gaining from the different islands and places they are traveling to and the new people they are meeting, they didn't waste a minute. They went out from their castles everyday to explore the cities, elegant palaces and see the classy ornate dresses and the aristocratic behavior of the people. When they returned they were packed with superb ideas and a new taste they had influenced from the East.

As well as influencing the culture, they became interested in advances from the Middle East, and renewed their interest in science, they also tried to build on the knowledge that they had gained from their travels by practicing what they had learned and adding on to it. I think this was one of the most significant because the most thing needed for a country or a kingdom to grow stronger is to have the people educated and well-thinkers. When that happens people are going to start developing new ideas to help strengthen their country and invent new things to create a great aristocratic culture and for the people to become well

civilized, educated and mannered.

Another really important effect the crusades had was on commerce, they never stopped demanding men and supplies being transported to them by ships, and that's why they encouraged ship building. Many products from Mosul, Damascus, Cairo and Alexandria were being shipped across the Mediterranean Sea heading towards the Italian seaports. The crusaders were very pleased with the beauty and elegance of the products they were getting, from silk, pearls, ivory, oriented tapestries and precious stones to perfumes and spices that a crusader named it "the vestibule of Paradise." I think their effect on Commerce was very important because discovering new products and materials would help them be able to create more inventions and make their daily life much easier and luxurious.

Finally, the third most significant impact or change by the crusades from my opinion is the voyages of discoveries they encouraged. As the re-interest in geographical discoveries began to take place, many travelers such as the famous Marco Polo and Sir John Mandeville started exploring new places, far and remote, an example of this would be the distant countries and islands of Asia. Also the rediscovery of ancient Greek maps helped them find their way out and beyond the Mediterranean Sea. I chose this impact because I think that if they hadn't discovered new places, they wouldn't have developed and expanded their land areas or found new things and products in other countries and islands that they could use for their benefit or learned new architectual and painting ideas and ways. Overall, I think the crusades had great impacts on Europe, and because of them Europe is now well developed and civilized.

فرمودۂ اقبال   درویشی کی حکمرانی

نظم فقر

از کلیاتِ اقبال (فارسی) پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق   سلسلہ وار 7

اے تہی از ذوق و شوق و سوز و درد   می شناسی عصر ما با ما چہ کرد!

اے مخاطب! تو جو ذوق، شوق اور سوز سے خالی ہے،   پہچانتا بھی ہے کہ ہمارے دور نے ہمارے ساتھ کیا کیا

عصرِ ما ما را ز ما بیگانہ کرد   از جمالِ مصطفےٰ بیگانہ کرد

ہمارے دور نے ہم کو ہم ہی سے دور کر دیا ہے   اس نے ہمیں مصطفیٰ ﷺ کے جمال سے بیگانہ کر دیا ہے

سوز او تا از میانِ سینہ رفت   جوہر آئینہ از آئینہ رفت

جب آپ ﷺ کے عشق کا سوز سینے میں سے نکل گیا   تو آئینے کا جوہر ہی آئینے سے چلا گیا

باطنِ ایں عصر را نشناختی   داوِ اوّل خویش را درباختی

تو نے اس دور کے باطن کو نہیں پہچانا   پہلے ہی داؤ میں اپنے آپ کو ہار دیا

تا دماغِ تو بہ پیچاکش فتاد   آرزوے زندہ در دل نزاد

جب سے تیرا دماغ اس کے پیچاک (بیل) میں الجھا ہے   دل میں کسی زندہ آرزو نے جنم ہی نہیں لیا

احتسابِ خویش کن از خود مرو   یک دو دم از غیر بیگانہ شو

اپنا احتساب کر، اپنی ذات سے دور نہ ہو   ایک دو لمحے اپنے غیر سے بیگانہ ہو جا

تا کجا ایں خوف و وسواس و ہراس   اندر ایں کشور مقامِ خود شناس

یہ خوف، یہ ڈر اور ہراس کب تک؟   اس ملک میں اپنا مقام پہچان

ایں چمن دارد بسے شاخِ بلند   برنگوں شاخ آشیانِ خود مبند

اس چمن میں کئی بلند شاخیں ہیں   تو جھکی ہوئی شاخ پر اپنا آشیاں نہ بنا

اِنْ شَآءَ اللّٰہ

ماہنامہ حکمت بالغہ جھنگ ایک اور خصوصی اشاعت

یہ ایک حقیقت ہے کہ:

جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کا برطانوی ظالم صیہونی سامراج سے آزادی حاصل کرنے کا خواب علامہ اقبال علیہ الرحمہ کی شخصیت (شاعری، فکر اور دو قومی نظریہ) کے بغیر شرمندۂ تعبیر ہونا ممکن نہیں تھا۔ مگر ___ اسی محسن شخصیت جو مفکر و مصور پاکستان تھی، کو 1947ء کے بعد آہستہ آہستہ ایسا بھلایا گیا کہ 2016ء میں اقبال علیہ الرحمہ کی علامتی یاد ___ یومِ اقبال کی تعطیل (9 نومبر) کو بھی سرکاری طور پر ختم کر دیا گیا۔

ع آسمان را حق بود گر خوں ببارد بر زمین

پاکستان کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر علاقائی اور عالمی سطح پر اپنا ROLE ادا کرنا ہے تو: ___ ریاستی، حکومتی، سیاسی، تعلیمی اور نظریاتی سطح پر فکر اقبال علیہ الرحمہ کو از سر نو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔

اس بات کا احساس دلانے کے لئے ادارہ

احیائے فکر اقبال نمبر

کے عنوان سے عنقریب خصوصی اشاعت کا اہتمام کر رہا ہے

اہل قلم، اہل علم اور ملت اسلامیہ کے بہی خواہوں سے قلمی تعاون اور دعاؤں کی درخواست ہے

انجینئر مختار فاروقی مدیر حکمت بالغہ جھنگ